فقہ المعاملات

یعنی

جدید معاملات کے شرعی احکام

۳ جلد یکجا مجلّد

جناب مولانا مفتی احسان اللہ شائق صاحب

معین مفتی واستاد جامعۃ الرشید احسن آباد کراچی

اردو بازار ٥ ایم اے جناح روڈ ٥ کراچی پاکستان فون: 2631861

فقہ المعاملات

یعنی

جدید معاملات کے شرعی احکام

کامل ۳ جلد مکمل

جناب مولانا مفتی احسان اللہ شائق صاحب

مفتی و استاد جامعۃ الرشید احسن آباد کراچی

دارالاشاعت

فہرست مضامین ﴿جلد ثالث﴾

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	کتاب الحظر والاباحة	14
1	حرام جانوروں کا بیان	14
2	حرام جانوروں کی فہرست	15
3	حلال جانوروں کی فہرست	15
4	بگلے اور شارک کا حکم	15
5	گھوڑا مکروہ تحریمی ہے	15
6	گھوڑے کے گوشت کا حکم	17
7	گدھے کے گوشت کا حکم	17
8	خچر کے گوشت کا حکم	18
9	خنزیر کے گوشت کا حکم	18
10	خنزیر کی حرمت میں فلسفہ	19
11	سانپ (کوبرا) کے استعمال کا حکم	23
12	حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کا حکم	25
13	موذی جانوروں کے قتل کا حکم	25
14	کوا کھانے کا حکم	26
15	کیڑا لگا ہوا پھل یا اناج کھانا	27
16	جھینگے کی تحقیق	27
17	چائے میں مکھی گرنا	28
18	جلالہ نجاست خور جانور کا حکم	29
19	جانوروں میں سات چیزیں حرام ہیں	30

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
20	حشری جانوروں کا حکم	30
21	[illegible] کا حکم	34
22	جھینگے کی حلت و حرمت	36
23	درندوں کی حرمت کا فلسفہ	38
24	خرگوش حلال جانور ہے	38
25	چوری شدہ جانور کا حکم	39
26	غیر اسلامی طریقے پر ذبح شدہ جانور کا حکم	39
27	مردار اور مخنوق کا حکم	39
28	**باب اللباس**	44
29	لباس کی حقیقت	44
30	لباس کیسا ہو؟	44
31	لباس کے متعلق بنیادی اصول	45
32	اسراف اور تکبر سے بچنا	46
33	دل خوش کرنے کے لیے عمدہ لباس پہننا	47
34	ٹخنے چھپانا مطلقاً ناجائز نہیں	47
35	تکبر نہ ہو تب بھی ٹخنے چھپانا حرام ہے	48
36	مردوں کے لیے ریشمی لباس کا حکم	50
37	عورتوں کے لیے ریشمی لباس حلال ہے	50
38	افضل لباس کونسا ہے؟	51
39	خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لیے جائز نہیں	52
40	سرخ دھاری دار لباس پہننا جائز ہے	54
41	مردوں کے لیے کس رنگ کا کپڑا افضل ہے؟	54

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
42	سیاہ رنگ کے کپڑے کا حکم	55
43	جینز شرٹ پہننا	56
44	طلبہ اور ملازمین کے لیے جینز شرٹ کی پابندی	57
45	چاندی کے تار والا کپڑا	57
46	معصفر رنگ کا حکم	58
47	مسنون لباس	59
48	سنت کی تعریف	59
49	سنت کی اقسام	59
50	آپ ﷺ کا لباس کیسا تھا؟	60
51	شرعی لباس	61
52	سونے کا بٹن استعمال کرنا	62
53	بٹن کھلا رکھنا جائز ہے	63
54	گریبان ایک طرف رکھنا	63
55	ٹوپی اسلامی لباس کا شعار ہے	63
56	ننگے سر رہنا پسندیدہ نہیں	63
57	ٹوپی کے بغیر نماز پڑھنا	64
58	پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپی کا حکم	65
59	ٹوپی کی کونسی قسم سنت ہے؟	65
60	قراقلی ٹوپی پہننا جائز ہے	66
61	عمامہ لباس کی سنت ہے	67
62	عمامہ باندھنے کا صحیح طریقہ	70
63	محراب بنا کر عمامہ باندھنا	70

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
64	عمامہ کے پیچ کی تعداد	71
65	رومال سے عمامہ کی سنت ادا ہو جائے گی	72
66	عمامہ میں شملہ کی مقدار	72
67	شملہ کس جانب لٹکانا چاہئے	72
68	عمامہ میں دو شملے رکھنا	73
69	عمامہ کس رنگ کا ہونا چاہیے	73
70	ٹوپی اور بغیر ٹوپی کے عبادت کرنی	73
71	نماز میں عمامہ کا حکم	74
72	پردہ کے احکام	75
73	مرد کا ستر	75
74	کھیل کود کے وقت ستر کھولنا	77
75	عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں	77
76	محارم کی تعریف	78
77	عورت کا ستر محرم کے سامنے	78
78	دو رشتہ داروں سے پردہ فرض نہیں	79
79	دو رشتہ داروں سے پردہ فرض ہے	79
80	عورت کا چہرہ نماز میں	79
81	عورت کا چہرہ غیر محرم کے سامنے	80
82	غیر محرم کو ہاتھ لگانا	84
83	اجنبی عورت سے مصافحہ کی ممانعت	84
84	محارم سے مصافحہ ضروری نہیں ہے	85
85	مرد کے لئے انگوٹھی کا حکم	86

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
86	خواتین کے لیے انگوٹھی کی تفصیل	88
87	دانتوں کے گرد سونے چاندی کا خول لگانا	89
88	سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا	91
89	سونے چاندی کے کیس کی گھڑیاں اور سونے کا ٹب	91
	احکام الصید والذبائح	92
90	شکار کے حلال ہونے کی شرائط	92
91	ذبح کرنے کا شرعی طریقہ	93
92	ذبح کے وقت بسم اللہ غیر عربی میں کہنے کا حکم	94
93	نابالغ بچے کے ذبیحہ کا حکم	95
94	گونگے کے ذبیحہ کا حکم	95
95	اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم	95
96	مذبوح جانور کے پیٹ سے نکلنے والے بچے کا حکم	97
97	جانور ٹھنڈا ہونے سے پہلے سر جدا کرنا	97
98	بندوق اور غلیل کے شکار کا حکم	98
99	حرام مغز کا حکم	98
100	مشینی ذبیحہ کا حکم	99
101	اہل بدعت کے ذبیحہ کا حکم	107
102	اونٹ نحر کرنے کا طریقہ	109
	احکام الاضحیۃ والعقیقۃ	110
103	قربانی نہ کرنے پر وعیدیں	111
104	مسافر پر قربانی واجب نہیں	111
105	شریک ہو کر قربانی کرنا	112

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
126	فقیر پورا گوشت اپنے گھر رکھے	128
126	نابالغ بچے پر قربانی واجب نہیں	129
126	عشرہ ذی الحجہ میں ناخن وغیرہ نہ کاٹنا	130
127	ساتویں حصہ کی نفل قربانی میں چھ ساتھی شریک ہو سکتے ہیں	131
128	بچہ کے عقیقہ کا شرعی حکم	132
130	عقیقہ کی مدت	133
130	عقیقہ کی دعاء	134
131	عقیقہ کی نیت سے خریدا ہوا جانور	135
132	**باب النذر**	
132	نذر کی شرائط	136
133	دائمی روزہ کی نذر میں بوقت عجز فدیہ ہے	137
134	نذر میں زمان ومکان وغیرہ کی تعیین صحیح نہیں	138
134	قرآن خوانی کرانے کی نذر جائز نہیں	139
135	نماز کے بعد تسبیحات کی نذر کا حکم	140
137	نذر ذبح میں قیمت کا تصدق جائز ہے	141
137	شیرینی تقسیم کرنے کی نذر	142
139	نذر معلق میں صیغہ التزام ضروری نہیں	143
140	تبلیغ میں جانے کی نذر صحیح نہیں	144
140	مدرسہ میں رقم دینے کی نذر	145
141	نذر ماننا ناپسندیدہ عمل ہے	146
141	ولی کے نام بکرا ذبح کرنے کی نذر	147
144	جس جانور کے ذبح کرنے کی نذر مانی کیا اس کو بدلا جا سکتا ہے	148

صفحہ نمبر	عنوانات	نمبر شمار
146	نیوتہ کا حکم	149
147	استطاعت سے زائد نذر ماننے کی ایک صورت کا حکم	150
148	عمرہ کی نذر صحیح ہے	151
148	زبان سے کہے بغیر نذر نہیں ہوتی	152
148	**باب الیمین**	
149	غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں	153
149	کار خیر پر قسم کا حکم	154
149	گناہ پر قسم کھانے کا حکم	155
150	حرام چیز کو حرام کرنا بھی قسم ہے	156
150	جھوٹی قسم کا حکم	157
151	قسم کا کفارہ	158
151	کفارے کا روزہ	159
151	متعدد قسموں کا کفارہ	160
151	**علاج و معالجہ کا بیان**	161
151	بیماری کا علاج کروانا سنت ہے	162
152	حمل گرانے کا حکم	163
153	ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم	164
162	جان پر داغ دے کر مرض کا علاج کرنا	165
162	حکیم کی اجرت کا حکم	166
163	تعویذ کا حکم	167
165	تدریجی محرمات	168
167	**الحدود والتعزیرات**	169

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
170	حدود کی مشروعیت کی حکمت	167
171	حدِ زنا احادیث کی روشنی میں	168
172	ثبوتِ زنا کا طریقہ	176
173	کاروکاری کا حکم	176
174	حیوان سے بدفعلی کی سزا	181
175	کسی مسلمان کو کافر سے تشبیہ دینے کا حکم	183
176	شاگرد کو سزا دینے کی تفصیل	184
177	دبر میں بدفعلی کی سزا	187
178	بالغ اولاد کو تعزیر	191
179	قصاص کے احکام	192
180	قتلِ عمد کی تعریف	192
181	قصاص کے قواعد و اصول	193
182	دیت وصول کرنے کا طریقہ	197
183	بچہ ماں کے نیچے دب کر مر گیا	197
184	شادی کی تقریب میں فائرنگ	197
185	بس سے کچلنے کا حکم	198
186	حدود کفارۂ سیئات نہیں	198
187	کسی کے ہاتھ سے بچہ گر کر مر گیا	199
188	جماع موجبِ استحاضہ کا حکم	199
189	عوام کو اجراءِ حد کا اختیار نہیں	200
190	حدِ قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی	201
191	ذکر کٹوا لینے کی سزا	202

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
192	چوری کی سزا	208
193	نصابِ سرقہ	213
194	شراب نوشی کی سزا	214
	کتاب المتفرقات	216
195	ہیر پل نول کا حکم	216
196	جانگیہ پہننے کا مسئلہ	217
197	بجلی، بکری پر آگ لگ جلیوں میں جانا	222
198	احتراز کی جگہ پر بیٹھنا	224
199	داڑھی پر تنقید کا حکم	225
200	قائم کلمہ سے بڑھ جائے تو کیا تدبیر کی جائے؟	233
201	بوسیدہ اوراق کا حکم	234
202	کفار سے دوستی اور میل جول رکھنے کا حکم	234
203	ہندوؤں کے تیار کردہ کھانے کا حکم	234
204	کافر کی عیادت اور تعزیت	235
205	قادیانی کی تجہیز و تکفین میں شرکت کا حکم	236
206	قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ تحریمی ہے	238
207	چھپکلی کو مارنا ثواب ہے	238
208	غسل خانہ میں پیشاب کرنا	239
209	انجکشن کے ذریعہ جانوروں کو حاملہ کروانے کا حکم	239
210	رخصتی کے موقع پر لڑکی والوں کی طرف سے دعوت	240
211	ولیمہ کا مسنون وقت	240
212	رسم نیوتہ کا حکم	240

كتاب الحظر والاباحة

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں سے انتہائی محبت ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی حکمت والے ہیں اس لیے ہر وہ چیز جس کی ذات میں خباثت و گندگی ہے یا جو چیزیں انسان کی صحت و تندرستی کے لیے مضر ہیں ان کے استعمال کو حرام قرار دیا اور جو پاکیزہ و مفید چیزیں اور انسان کے حق میں مفید ہیں ان کے استعمال کو حلال قرار دیا ہے۔ تاکہ انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرے۔ صحیح طریقے سے احکام خداوندی کی پابندی کریں اور اپنی زندگی کے زیادہ سے زیادہ اوقات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گزار دیں۔

وقوله تعالى: ﴿وكلوا مما رزقكم الله حلالا طيبا واتقوا الله الذي انتم به مؤمنون﴾ (مائدة: ۸۸)

اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تم کو دی ہیں ان میں سے حلال مرغوب چیزیں کھاؤ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو۔

بلکہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے فرض منصبی میں یہ بات داخل فرمائی کہ لوگوں کو حلال و حرام کی تمیز سکھائیں۔

كقوله تعالى: ﴿يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث﴾ (اعراف: ۱۵۷)

یعنی ارشاد باری تعالیٰ ہے وہ ان کو نیک کاموں کا حکم فرماتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں اور پاکیزہ چیزوں کو ان کے لیے حلال بتاتے ہیں اور گندی چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔

لہٰذا انسان کو چاہیے کہ حلال کو اختیار کرے اور حرام سے اجتناب کرے۔

حرام جانوروں کا بیان:

کون جانور حرام ہے اور کون حلال ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے ضابطہ بیان فرمایا

عن أبي ثعلبة الخشني أنه قال: نهى رسول الله صلى الله عليه

وسلم عن أكل كل ذي ناب من السباع" (أخرجه مسلم رقم ١٩٣٢، باب تحريم أكل كل ذي ناب من السباع وكل ذي مخلب من الطير)

یعنی ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وحشی جانوروں میں سے کچلی کے دانت والے جانوروں کے گوشت استعمال کرنے سے منع فرمایا ہے۔

دوسری روایت میں ارشاد ہے کہ پرندوں میں جو پنجوں سے شکار کرنے والے ہیں ان کا گوشت استعمال کرنا ممنوع ہے۔

كما روي عن ابن عباس رضي الله عنه: ان رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن أكل كل ذي ناب من السباع وعن كل ذي مخلب من الطير. (اخرجه مسلم رقم ١٩٣٣)

خلاصہ یہ ہے کہ جو جانور یا پرندے شکار کر کے کھاتے ہیں یا ان کی غذا گندگی نجاست ہے ان کا گوشت استعمال کرنا حرام ہے، جو ایسا نہیں ہے وہ حلال ہے۔

حرام جانوروں کی فہرست:

شیر، بھیڑیا، گیدڑ، بلی، کتا، سانپ، ہاتھی، بندر، چیتا، خنزیر، شکرا، باز، چیل، گدھ وغیرہ

حلال جانوروں کی فہرست:

گائے، بیل، بھینس، اونٹ، بکری، دنبہ، طوطا، مینا، فاختہ، چڑیا، بٹیر، مرغابی، کبوتر، نیل گائے، ہرن، بطخ، خرگوش وغیرہ۔

بگلے اور سارس کا حکم:

بگلے اور سارس بھی حلال پرندوں میں سے ہے بعض لوگ کم علمی کی وجہ سے ان کا گوشت استعمال نہیں کرتے، حالانکہ بگلے اور سارس نہ پنجوں سے شکار کرتے ہیں نہ ہی ان کی غذا گندگی نجاست ہے لہذا ان کا گوشت استعمال کرنا حلال ہے۔

گھوڑا مکروہ تحریمی ہے:

گھوڑے کا گوشت حلال یا حرام اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق مکروہ تحریمی ہے۔ جبکہ صاحبین اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں

ومما يدل على حل أكل لحوم الخيل ما ثبت في الصحيح عن جابر بن عبد الله: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى يوم خيبر عن لحوم الحمر الأهلية، وأذن في لحوم الخيل.

(رواه مسلم: رقم 1941)

رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے دن گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور گھوڑے کے گوشت کی اجازت دی۔

وفي رواية الترمذي عن جابر رضي الله عنه أنه قال: "أطعمنا رسول الله صلى الله عليه وسلم لحوم الخيل، ونهانا عن لحوم الحمر" يعني الحمر الأهلية. (أخرجه الترمذي برقم 1793 في الأطعمة)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں گھوڑے کا گوشت کھلایا اور گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

گھوڑے کے دودھ کا حکم:

گھوڑے کے گوشت کے استعمال کے بارے میں اگرچہ فقہاء کے درمیان اختلاف ہے لیکن دودھ کا استعمال حلال ہونے کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں، بلکہ یہ گائے کے دودھ کی طرح حلال ہے، اس سے تیار کردہ گھی اور پنیر وغیرہ بھی حلال ہے۔

گدھے کے گوشت کا حکم:

پالتو گدھے کا گوشت حرام ہے، البتہ جنگلی گدھے جن کو گورخر کہا جاتا ہے ان کا گوشت حلال ہے۔

قال العلامة الصابوني:

الحمير التي تعيش مع الناس أي في المدن والقرى، ويركبونها ويحملون عليها الأثقال، فلحمها حرام لتحريم أكلها صريحاً في الأحاديث الشريفة.

1- روى مسلم والترمذي عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن متعة النساء يوم

زواج المتعة ـ يوم خيبر ، وعن لحوم الحمر الإنسية ."

(أخرجه مسلم رقم : ٧ - ١٤٠ ، والترمذي رقم ١٧٩٤ في الأطعمة)

رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی فتح کے موقع پر متعہ اور گدھے کے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔

٢ ـ وروى مسلم عن عبد الله بن أبي أوفى رضي الله عنه أنه قال : " أصابتنا مجاعة يوم خيبر ، ونحن مع رسول الله صلى الله عليه وسلم ، وقد أصبنا للقوم حمرا خارجة من المدينة ـ يعني حمرا أهلية ـ فنحرناها ، فإن قدورنا لتغلي بها ، إذ نادى منادي رسول الله صلى الله عليه وسلم أن اكفئوا القدور ـ أي اقلبوا ما فيها وارموه ولا تطعموا من لحوم الحمر شيئا !! وتحدثنا بيننا فقلنا : حرمها البتة " أي مطلقا وأبدا . (أخرجه مسلم في كتاب الصيد والذبائح رقم ١٩٣٧)

٣ ـ وفي رواية أخرى لمسلم : " أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أبا طلحة فنادى إن الله ورسوله ينهيانكم عن لحوم الحمر ، فإنها رجس أو نجس ."

٤ ـ وروى الترمذي عن أبي هريرة رضي الله عنه أنه قال : " حرّم رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر ، كل ذي ناب من السباع ، والمجثمة ـ أي التي تكون هدفا للنبال ـ والحمار الإنسي " أي الأهلي . (أخرجه الترمذي رقم : ١٧٩٥ في الأطعمه)

رسول اللہ ﷺ نے فتح خیبر کے دن ہر اس جانور کے گوشت کو حرام فرمایا جو کچلی کے دانت والا ہو اور جس جانور کو نشانہ بنایا گیا ہو تیر اندازی کا اور پالتو گدھا کا گوشت

خچر کے گوشت کا حکم:

خچر گھوڑی سے پیدا ہوتا ہے اور شرعاً جانوروں کی نسل کا حکم یہ ہے کہ بچہ ماں کے تابع ہوتا ہے البذا۔ خچر بھی گھوڑی کے حکم میں داخل ہو کر اس کے گوشت کا استعمال بھی مکروہ تحریمی ہوگا۔

خنزیر کے گوشت کا حکم:

خنزیر کے گوشت از روئے قرآن وحدیث حرام ہے، جس مسلمان کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت

وغيره من المنافع. (تفسير ابن كثير ٢ / ٨٣)

ترجمہ: "پھر اللہ تعالیٰ نے چوپاؤں کی اقسام کو بیان کیا حتیٰ کہ اونٹ اس کا نر و مادہ اور اسی طرح گائے بھی، بے شک اللہ تعالیٰ نے ان میں سے اور ان کی اولاد میں سے کسی کو بھی حرام نہیں کیا بلکہ یہ سارے کے سارے بنی آدم کے کھانے، سواری، بار برداری اور دودھ وغیرہ منافع کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔"

اس لیے گائے کے حلال ہونے میں شک کرنا صحیح نہیں اور خنزیر کو بعض حیوانات کی طرح حرام قرار دیا ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿قل لا أجد في ما أوحي إلي محرما على طاعم يطعمه إلا أن يكون ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير فإنه رجس أو فسقا﴾

(سورة الأنعام: پارہ ۸)

ترجمہ: "آپ ﷺ فرما دیں کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں جو مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا گوشت سور کا کہ وہ ناپاک اور ناجائز ہے۔"

اور اس پر امت کا اجماع ہے، علامہ دمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"خنزیر نجس العین ہے اور اس کا کھانا حرام ہے اور اس کی خرید و فروخت بھی جائز نہیں۔"

(حياة الحيوان الكبرى: ٢ / ٦٦ الخنزير)

خنزیر کی حرمت پر قرآنی آیات، احادیث نبویہ، آثار صحابہ و تابعین اس کثرت سے وارد ہیں کہ کسی بھی مسلمان کے لیے ایمان کے ہوتے ہوئے اس کا کھانا حلال نہیں۔

شریعت جس چیز کو حرام کرتی ہے اس میں اس حکم کے علاوہ دیگر مضرات بھی ہوتے ہیں جو انسانی بدن یا اس کے اخلاق کے لیے صحیح نہیں ہوتے، چنانچہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ خنزیر کی حرمت کی وجوہات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

1- اس بات کا کسی کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور، بے غیرت اور دیوث ہے۔ اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ ایسے پلید اور برے جانور کے گوشت کا اثر (انسانی) بدن اور روح پر بھی پلیدی ہوگا کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی

انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے، پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد جانور کے گوشت کا اثر بھی برا ہی ہوگا، جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے بھی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصہ حیا کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے، پس جب کہ یہ امر مسلم ہے کہ تغیر بدن و تغیر اخلاق کے اسباب میں سے زیادہ تر قوی سبب غذا ہے، لہٰذا ایسے جانور کا گوشت کھانے سے شریعت اسلامیہ نے منع فرمایا۔

-2 خنزیر یعنی خوک نجاست کی طرف بہت زیادہ مائل ہے خصوصاً انسان کا فضلہ یعنی براز اس کی خوراک ہے اس کا گوشت اسی نجاست سے پیدا ہوتا ہے، پس اس کا گوشت کھانا گویا اپنی نجاست کھانا ہے۔

-3 صاحب مخزن الادویہ فساد گوشت خوک (خنزیر) اور اس کی حرمت کی تیرہ وجوہ ذیل میں تحریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت فطرت انسانی کے برخلاف ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

''گوشت خوک مواد غلیظ است و مورث حرص شدید و صداع مزمن، و داء الفیل، و وجاع المفاصل و فساد عقل و زوال، مروت و غیرت و حمیت و باعث فحش است و اکثرے از فرق غیر اسلامی آں را می خورند و قبل از ظہور نور اسلام گوشت آں را در بازار ہا می فروختند و بعد از اں در مذہب اسلام حرام و بیع آں ممنوع و موقوف گردید بسیار کثیف و بدہیئت است۔''

(احکام اسلام عقل کی نظر میں: ۲۰٤)

-4 سور کا گوشت ایک بیماری کا باعث بنتا ہے جو کہ آنکھوں کی ایک بیماری ہے اور اس کا نام ٹرکن اوسس ہے جو کہ صحرائی آب وہوا میں بہت جلد اثر کرتی ہے۔

باقی رہا مسئلہ گائے وغیرہ کا تو مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

-1 یہ سارے جانور دراصل مزاج انسانی کے موافق اور ستھرے و معتدل المزاج ہوتے ہیں اس لیے حلال ٹھہرائے گئے ہیں اور ان جانوروں کو خدا تعالیٰ نے بهیمۃ الانعام فرمایا ہے اور اسی توافق و اعتدال کے سبب دنیا میں زیادہ تر انہیں جانوروں کا گوشت بنی آدم استعمال کرتے ہیں، فطرت انسانی اس امر کی مقتضی ہے کہ جیسا کہ بنی آدم کی خوراک کا کچھ حصہ نباتات ہے ویسا ہے ایسا ہی کچھ حصہ اس کا حیوانات سے ہو اور اس کی خوراک کے لیے حیوانات بھی وہ مقرر ہوتے

مناسب تھے جو ان کے مزاج کے موافق ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کیا۔

2. چونکہ انسان جامع جلال و جمال ہے تو اس کی خوراک میں بھی جلال و جمال دونوں کا ہونا مناسب تھا۔ لہٰذا انسان کی خوراک کے لیے وہ جانور مقرر ہوئے جن میں جلالی و جمالی صفات موجود ہیں۔ (دیکھئے احکام اسلام عقل کی نظر میں: ۲۰۷)

مزید تفصیل کے لیے "حیات الحیوان" از علامہ دمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف مراجعت کریں۔ مسلمان کے لیے صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا حکم کافی ہے۔

(ماخوذ از فتاویٰ حقانیہ: ۶/۴۰۴)

علامہ صابونی صاحب خنزیر کے گوشت حرام ہونے کی حکمت تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ومن جهة الأخرى فإن من خصائص الخنزير وطباعه، عدم الغيرة على أنثاه، ومن أكل لحمه، أصابه من طباعه، ففقد الغيرة التي هي من أكبر المزايا الإنسانية، والشاهد على ذلك حال الشعوب الأوروبية والأمريكية، فهم يستبيحون أكله ومن يقلدهم وينطبع بطباعهم.

یعنی خنزیر کی خاصیت اور طبیعت یہ ہے کہ اس کو اپنی مادہ پر غیرت نہیں آتی لہٰذا جو شخص خنزیر کا گوشت استعمال کرے گا وہ بھی ضرور بے غیرت بن جائے گا، کیونکہ انسان جو غذا استعمال کرتا ہے اس کا اثر اس کی طبیعت پر پڑتا ہے۔ اس پر یورپ، امریکہ اور دیگر غیر مسلم خنزیر خور اقوام کے حالات شاہد ہیں، اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے خنزیر کے کسی بھی جز کو استعمال کرنے سے اجتناب کریں۔

فإنهم لا يعرفون للغيرة معنى، ولا للشرف قيمة، بل يعيبون الغيور، ويعدونه غريبا، ويقولون: إن الغيرة هي خلق الرجعيين، ولا تليق بالإنسان المتحضر، لذلك ترى زوجاتهم وبناتهم في أحضان الفجار والفساق، يراقصن من يشأن من الرجال، وربما وصل الحال بهن إلى الممارسة الجنسية، ولا يتحرك عندهم ساكن، ولا غيرة على العرض والشرف، ولعمر الحق إن هذه لهي الجاهلية

الكبرى " جاهلية القرن العشرين " التي تستعر منها النفوس الكريمة ، وتستحي العقل السليم ، ولا كرامة للإنسان إذا فقد المروءة والشرف !!

ضب (گوہ) کے استعمال کا حکم:

ضب جس کو فارسی میں سوسمار اور اردو زبان میں گوہ کہا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے اس کے استعمال سے منع فرمایا ہے اس لیے اس کا استعمال مکروہ تحریمی ہے البتہ دوسرے ائمہ اس کی حلت کے قائل ہیں اور ان کا استدلال بھی بعض احادیث مبارکہ ہیں جو گوہ کی حلت پر دال ہیں لیکن احناف فرماتے ہیں۔ جب کسی مسئلہ میں حلت وحرمت کا تعارض ہو جائے تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے لہذا حرمت والی احادیث راجح ہوں گی۔

قال العلامة الصابوني حفظه الله: يباح أكل لحم الضب وهذا رأي جمهور الفقهاء، وكرهه بعض الفقهاء، لأن النبي صلى الله عليه وسلم عافه ولم يأكل منه، ولو كان طيباً لأكله، وحجتهم في كراهية أكله ما روي عن عائشة رضي الله عنها: "أن النبي صلى الله عليه وسلم أهدي له ضب فامتنع من أكله." (أخرجه أصحاب السنن)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو "ضب" گوہ کھانے کیلئے پیش کیا گیا آپ ﷺ نے کھانے سے انکار فرمایا۔

وفي رواية عن أبي الزبير قال: سألت جابراً عن الضب؟ فقال: "لا تطعموه ـ أي لا تأكلوه ـ وقذره، وقال عمر بن الخطاب: إن النبي صلى الله عليه وسلم لم يحرمه" (أخرجه مسلم رقم ١٩٤٥ في كتاب الصيد) وأما حجة الجمهور الذين أباحوا أكله فهو ما رواه مسلم في صحيحه عن ابن عباس "أن خالد بن الوليد ـ الذي يقال له: سيف الله ـ أخبره، أنه دخل مع رسول الله صلى الله عليه وسلم على ميمونة زوج النبي صلى الله عليه وسلم وهي خالته ن

والضب، والسلحفاة، والزنبور، والحشرات كلها

(الهداية: ٤/٤٤١ كتاب الذبائح)

حشرات الارض (کیڑے مکوڑے) کا حکم:

کیڑے مکوڑے جتنے اقسام کے ہیں چونکہ ان کا استعمال انسانی صحت کے لیے مضر ہے اس لیے ان کا کھانا حرام ہے جیسے سیہ، کچھوا، چوہے، مینڈک، سانپ، بچھو، چھپکلی، بھڑ، کھٹمل اور دیگر زمین پر چلنے والے دیگر چھوٹے بڑے کیڑے مکوڑے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ويحل لهم الطيبات ويحرم عليهم الخبائث﴾

قال أبو بكر الجصاص: ذكر القنفذ عند رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال خبيثة من الخبائث، فعمه حكم التحريم بقوله تعالى ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾ والقنفذ من حشرات الأرض، وكل ما كان من حشراتها فهو محرم قياسا عليه.

(أحكام القرآن للإمام الجصاص: ٣/٢١)

ابوبکر جصاص رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے قنفذ (سیہ) کا تذکرہ ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: خبائث میں سے ایک خبیث ہے اور ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ويحرم عليهم الخبائث﴾ میں داخل ہے۔

موذی جانوروں کو قتل کرنے کا حکم:

بعض جانور انتہائی موذی ہوتے ہیں ان کو قتل کرنے کی ہر وقت اجازت ہے۔

كما روي عن ابن عباس وعبد الله بن عمر رضي الله تعالى عنهم وغيرهما: خمس من الفواسق يقتلن في الحل والحرم: الغراب، والحدأة، والعقرب، والفأرة، والكلب العقور.

(الحديث أخرجه البخاري رقم ١٨٢٦، ومسلم رقم ١١٩٨، والترمذي رقم ٨٣٧)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پانچ قسم کے حیوانات ایذا پہنچانے والے ہیں ان کو حرم میں اور حرم کے باہر ہر جگہ قتل کیا جائے گا۔

١. کوا ٢. چیل ٣. بچھو ٤. چوہا ٥. باؤلا کتا

کوا کھانے کا حکم:

کوے کو عربی میں "غراب" کہا جاتا ہے، فقہائے کرام کے اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تین قسمیں ہیں

1- بعض کوے ایسے ہوتے ہیں جو صرف مردار اور نجس چیزیں کھاتے ہیں غراب (کوے) کی یہ قسم حرام ہے۔

2- دوسری قسم کے کوے وہ ہیں جو کھانے میں صرف دانے (پاکیزہ چیزیں) استعمال کرتے ہیں مردار نہیں کھاتے ان کا کھانا حلال ہے۔

3- کووں کی ایک تیسری قسم بھی ہے جس کی خوراک حرام اور حلال سے مرکب ہوتی ہے یعنی مردار بھی کھالیتے ہیں اور پاکیزہ چیزیں بھی، قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ اگرچہ اس کی کراہت کے قائل ہیں لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک حلال ہے اور فتویٰ آپ رحمہ اللہ ہی کے قول پر ہے۔

لما قال العلامة فخر الدين عثمان بن علي الزيلعي رحمه الله:

والغراب ثلاثة انواع يأكل الجيف فحسب فإنه لا يؤكل ونوع يأكل الحب فقط فإنه يؤكل ونوع يخلط بينهما وهو أيضا يؤكل عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى وهو العقعق لأنه يأكل الدجاج وعن أبي يوسف رحمه الله تعالى أنه يكره لأن غالب مأكوله الجيف والأول أصح. انتهى. (تبيين الحقائق ٥/٢٩٥ كتاب الذبائح)

قال العلامة ابن همام رحمه الله تعالى: وفي الذخيرة وأما الغراب الابقع والأسود فهو أنواع ثلاثة نوع يلتقط الحب ولا يأكل الجيف وإنه لا يكره ونوع منه لا يأكل إلا الجيف وإنه مكروه ونوع يخلط الحب بالجيف يأكل الحب مرة والجيف لأخرى وإنه غير مكروه عند أبي حنيفة وعند أبي يوسف رحمه الله تعالى يكره العقعاق وهو غراب القيظ ويكون ضخما وافر الجناحين. (فتح القدير: ٨/٤١٩)

کیڑا لگا ہوا پھل یا اناج کھانا:

سوال: جس پھل میں کیڑا لگا ہوا اس کو کھانا کیسا ہے؟ نفع المفتی والسائل سے بغرض تصدیق ایک سوال اور جواب پیش خدمت ہے

الاستفسار: هل يحل أكل الدود التي تكون في التفاح وغيره معه.

الاستبشار: نعم لتعسر الاحتراز منه واما إذا فردت واكلت فحكمها حكم الذباب كذا في مطالب المؤمنين. (نفع المفتي والسائل: ص - ١١٠) بينوا توجروا

جواب: کیڑا نکال کر پھل کھانا حلال ہے، کیونکہ حضرت مفتی رشید احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ نفع المفتی والسائل کا جواب صحیح نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: ولا بأس بدود الزنبور قبل ان ينفخ فيه الروح لأن ما لا روح له لا يسمى ميتة خانية وغيرها قال ط ويؤخذ منه ان اكل الجبن او الخل او الثمار كالنبق بدوده لا يجوز ان نفخ فيه الروح. (ردالمحتار: ٥/١٩٤)

جیلی کی تحقیق:

سوال: ڈبل روٹی پر جیلی لگا کر کھاتے ہیں بعض لوگ اس کو ناجائز کہتے ہیں کیونکہ یہ جانور کی کھال اور ہڈی سے بنتی ہے، آپ کی تحقیق کیا ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب: اولاً جیلی کا ہڈی اور کھال سے بنایا جانا ضروری نہیں، درختوں کے پتوں وغیرہ سے بھی بنائی جاتی ہے۔

ثانیاً اگر کھال وغیرہ سے بنائی گئی ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ کھال مردار ہی کی ہو، حلال ذبیحہ کی کھالیں غالب ہیں۔

ثالثاً جیلی کی صنعت میں تبدیل ماہیت کا احتمال بھی ہے، اس صورت میں حرام جانور کی کھال سے بنی ہوئی جیلی بھی حلال ہے۔

زیادہ تجسس اور کھود کرید کرنا اور احتمالات باوہام کی بناء پر احتراز کرنا دین میں تعمق وغلو ہونے

کی وجہ سے ممنوع ہے اور بلا دلیل شرعی حرمت کا حکم لگانا دین میں زیادتی اور تحریف ہے۔

(ماخوذ از: احسن الفتاوی)

چائے میں مکھی گرنا:

سوال: گرم چائے میں مکھی گر جائے تو اس کو نکال دے کر پینا حلال ہے یا حرام؟ البحر کے مندرجہ ذیل جزئیہ سے حلت معلوم ہوتی ہے۔

ومعنى امقلوه اغمسوه ووجه الاستدلال به أن الطعام قد يكون حارا فيموت بالغمس فيه فلو كان يفسده لما أمر النبي صلى الله عليه وسلم ليكون شفاء لنا إذا أكلناه. (البحر الرائق: ١/٨٨)

جواب: مکھی دوسرے حشرات الارض کی طرح حرام ہے، اگر کھانے پینے کی کوئی چیز اتنی گرم ہو کہ مکھی کے اجزاء اس میں حل ہو جانے یا اس کا عرق شامل ہو جانے کا ظن غالب ہو جائے تو حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالی کی تصریح کے مطابق اس کا استعمال حرام ہوگا۔

جزئیہ بحر اس صورت پر محمول ہے کہ مکھی کے اجزاء یا عرق کے انفصال کا ظن غالب نہ ہو۔

چونکہ حشرات الارض کی حرمت کی اصل علت استخباث ہے اور یہ علت قلیل مقدار میں پائی جاتی ہے، طعام و شراب کثیر مقدار میں ہو تو یہ علت نہیں پائی جاتی، لہٰذا بڑی دیگ میں مکھی گر جائے تو اس کا استعمال جائز ہے، نیز اگر شربت، لسی وغیرہ ٹھنڈی چیز میں مکھی گر جائے تب بھی مکھی نکال کر پھینک دی جائے گی اس کے بعد شربت کا استعمال جائز ہے۔

قال الإمام ابن الهمام رحمه الله تعالى: روي عن محمد رحمه الله تعالى إذا تفتت الضفدع في الماء كرهت شربه لا للنجاسة بل لحرمة لحمه وقد صارت أجزاؤه فيه وهذا تصريح بأن كراهة شربه تحريمية وبه صرح في التجنيس فقال يحرم شربه.

(فتح القدير: ١/٨٥)

وكذا قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالى.

(البحر الرائق: ١/٨٩)

وقال أيضا: واعلم أن كل ما لا يفسد الماء لا يفسد غير الماء

وهو الأصح كذا في المحيط والتتمة والأشبه بالفقه كذا في البدائع لكن يحرم أكل هذه الحيوانات المذكورة ما دامت حية على الغير الطاهر لفساد الغذاء وخبثه منتنحا أو غيره وقد يقدمه عن النجس. (البحر الرائق ٦/٩٠) - (احسن الفتاوی بتغییر یسیر)

جلالہ (نجاست خور جانور) کا حکم:

بعض جانوروں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ نجاست کھاتے ہیں، یعنی ان کی غذا کا اکثر حصہ گندگی ہوتی ہے، جس سے ان کے گوشت میں بو پیدا ہو جاتی ہے، ایسے جانوروں کے گوشت کھانا مکروہ ہے، لہٰذا فقہاء کرام نے جواز کا یہ طریقہ ذکر فرمایا ہے کہ ایسے جانور کو ذبح سے پہلے مناسب مدت کے لیے بند کر کے پاکیزہ غذا چارہ کھلایا جائے، وہ مدت جس کا تعین اونٹ کے لیے دس دن ہے، بکری وغیرہ کے لیے چار دن، مرغی کے لیے تین دن ہے، اس مدت میں صاف غذا استعمال کرنے کی وجہ سے گوشت پاکیزہ ہو جائے گا لہٰذا کراہت بھی ختم ہو جائے گی۔

قال الفقهاء: تزول الكراهة بحبسها، وعلفها عشرة أيام في الإبل والبقر، وأربعة أيام في الشياه والأغنام، وثلاثة أيام في الدجاج (الدر المختار، ٥/١٧٢)

ومستندهم في كراهة أكلها ما رواه الترمذي عن ابن عمر رضي الله تعالى عنه قال: "نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن أكل الجلالة وألبانها." (أخرجه الترمذي رقم ١٨٢٤ باب ما جاء في أكل لحوم الجلالة وألبانها)

ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جلالہ کے گوشت کھانے اور دودھ پینے سے منع فرمایا ہے۔

وهذا نهي كراهة لا نهي تحريم.

وروى أيضاً عن ابن عباس رضي الله عنه: "أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن المجثمة، ولبن الجلالة، وعن الشرب من في السقاء."

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے لیے (یعنی امت محمدیہ ﷺ کے لیے) دو مردار اور دو خون حلال کیے گئے ہیں مردار تو مچھلی اور ٹڈی ہے، اور دو خون جگر اور تلّی ہے۔

سمندری جانوروں میں سے صرف مچھلی ہی حلال ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور جانور بھی حلال ہے؟ اس میں فقہاء کرام کے آپس میں کچھ اختلاف ہیں،

تفصیل کے لیے استاذ محترم مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدہم کی ایک تحریر پیش خدمت ہے جو انہوں نے حدیث مذکورہ کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے:

"یہاں پر کئی مسائل بحث طلب ہیں، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ سمندر کے کون کون سے جانور حلال اور کونسے حرام ہیں؟ امام مالک رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ خنزیر بحری کے سوا تمام مائی جانور حلال ہیں، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ سمک (مچھلی) کے علاوہ تمام جانور حرام ہیں اور سمک طافی بھی حلت سے مستثنیٰ ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ سے اس بارے میں چار اقوال منقول ہیں:

1- حنفیہ کے مطابق

2- جتنے جانور خشکی میں حلال ہیں ان کی نظیریں سمندر میں بھی حلال ہیں اور جو خشکی میں حرام ہیں وہ سمندر میں بھی حرام ہیں، مثلاً بقر بحری (دریائے گائے) حلال اور کلب بحری (کتا) حرام ہے اور جس بحری جانور کی خشکی میں نظیر نہ ہو تو وہ حلال ہے۔

3- ضفدع، تمساح، سلحفاۃ، کلب بحری اور خنزیر بحری حرام ہیں، باقی تمام جانور حلال ہیں۔

4- ضفدع (یعنی مینڈک) کے سوا تمام بحری جانور حلال ہیں۔

علامہ نووی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے اس آخری قول کو ترجیح دے کر اسے شافعیہ کا مفتی بہ قول قرار دیا ہے۔

وقال بعض الفقهاء و ابن ابی لیلیٰ انه یحل اکل ما سوی السمك من الضفدع و السرطان و حیة الماء و کلبه و خنزیره و نحو ذلك لکن بالذکاة وهو قول اللیث بن سعد الا فی انسان الماء و خنزیره فانه لا یحل . (بذل المجهود: ۱/ ٥٤)

مالکیہ اور شافعیہ کے دلائل یہ ہیں:

1- ﴿احل لکم صید البحر وطعامه﴾ اس آیت قرآنی میں لفظ "صید" عام ہے، اس لیے ہر جانور حلال ہوگا۔

2- ترمذی کی حدیث باب میں "الحل میتته" کے الفاظ ہر میتہ بحر کی حلت بیان کر رہے ہیں۔

3- حدیث العنبر سے بھی مالکیہ اور شوافع کا استدلال ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ ہم ایک عرصہ دراز تک ایک سمندری جانور کھاتے رہے، جس کا نام عنبر تھا۔ باب غزوۃ سیف البحر میں بخاری کی اس روایت میں الفاظ یہ ہیں:

"فالقى لنا البحر دابة يقال له العنبر فاكلنا منه نصف شهر الخ."

اس روایت میں لفظ دابۃ بتلا رہا ہے کہ وہ جانور مچھلی کے علاوہ اور کوئی چیز تھی۔

پھر امام مالک رحمہ اللہ آیت قرآنی ﴿ولحم الخنزير﴾ کے عموم کی وجہ سے خنزیر بحری کو حلت سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ حدیث النہی عن قتل الضفدع کی بناء پر ضفدع کو حلت سے مستثنیٰ کر لیتے ہیں۔

ان کے مقابلہ میں حنفیہ کے دلائل یہ ہیں:

1- "ويحرم عليهم الخبائث" علامہ عینی رحمہ اللہ نے اسی آیت قرآنی سے مسلک حنفیہ پر استدلال کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ خبائث سے مراد وہ مخلوقات ہیں جن سے طبیعت انسانی گھن کرتی ہو، اور مچھلی کے علاوہ سمندر کے دوسرے تمام جانور ایسے ہیں جن سے طبیعت گھن کرتی ہے، لہذا سمک کے علاوہ دوسرے دریائی جانور خبائث میں داخل ہوں گے۔

2- ﴿حرمت عليكم الميتة﴾ اس سے معلوم ہوگا کہ ہر میتہ حرام ہے سوائے اس میتہ کے جس کی تخصیص دلیل شرعی سے ثابت ہو گئی ہو۔

3- ابوداؤد، ابن ماجہ، دارقطنی، بیہقی وغیرہ میں مشہور مرفوع روایت ہے

"عن عبد الله بن عمر أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال أحلت لنا ميتتان ودمان فاما الميتتان فالحوت والجراد واما الدمان فالكبد والطحال (لفظه لابن ماجة: ۲۴۸، باب الكبد والطحال)

یہی مسلک ہے حضرت علی، ابن عباس، جابر رضی اللہ عنہم، ابراہیم نخعی، شعبی، طاؤس اور سعید بن المسیب رحمہم اللہ کا ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا ایک استدلال حدیث باب سے ہے کہ "الحل میتتہ" سے غیر مذبوح مراد لیتے ہیں اور حدیث میں اس کی حلت کا حکم دیا گیا ہے ان کا دوسرا استدلال حدیث عنبر سے ہے کہ وہ صحابہ کرام کو مری ہوئی ملی تھی، اس کے باوجود وہ نصف ماہ تک کھاتے رہے، تیسرا استدلال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک اثر سے ہے جو سنن بیہقی اور دار قطنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ (کما فی معارف السنن: ۱/۲۵۷) اس اثر میں سمک طافی کو حلال قرار دیا گیا ہے۔

حنفیہ کا استدلال ابو داؤد اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے:

"قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما القی البحر او جزر عنہ فکلوہ وما مات فیہ وطفا فلا تاکلوہ."

(کتاب الاطعمۃ، ۲/۵۳۴ باب اکل سمک الطافی)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کو سمندر نے باہر ڈال دیا یا جس سے پانی خشک ہو گیا اسکو کھاؤ، اور جو پانی میں مر کر الٹی ہو گئی ہے اسکو مت کھاؤ۔

امام ابوداؤد نے یہ روایت مرفوعاً وموقوفاً دونوں طرح روایت کی ہے، پھر طریق موقوف کو صحیح قرار دیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ مرفوع روایت بھی تمام تر ثقات سے مروی ہے اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے اس لیے اس کو مرفوع ماننے میں کوئی اشکال نہیں اور اگر موقوف طریق کو ہی صحیح مانیں تب بھی چونکہ مسئلہ غیر مدرک بالقیاس ہے اس لیے یہ حدیث مرفوع ہی کے حکم میں ہوگی۔

امام بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، حالانکہ یہ صحیح نہیں، کیونکہ ضعف کی وجہ ابن سلیم کا ضعف بیان کی ہے (کما فی معارف السنن: ۱/۲۶۰) حالانکہ ابن سلیم صحیحین کے راوی ہیں، لہذا ان کی یہ تضعیف درست نہیں۔ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے مرفوع کو اسماعیل بن امیہ کی وجہ سے ضعیف کہا ہے حالانکہ ان کو مغالطہ لگا ہے۔ یہ اسماعیل بن امیہ ابو الصلت نہیں جو ضعیف ہیں، بلکہ اسماعیل بن امیہ قرشی اموی ہیں، جو ثقہ ہیں مسلک حنفیہ کی تائید آیت

تیسری چیز لحم خنزیر ہے جس کو حرام قرار دیا ہے۔ لحم سے مراد اس کا پورا بدن ہے جس میں چربی، پٹھے وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔

چوتھے وہ جانور جو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہے۔ پھر ذبح کے وقت بھی اس پر غیر اللہ کا نام لیا ہے تو وہ کھلا شرک ہے اور یہ جانور باتفاق حرام کے حکم میں ہے۔ جیسا کہ مشرکین عرب اپنے بتوں کے نام پر ذبح کیا کرتے تھے۔ یا بعض جاہل کسی پیر فقیر کے نام پر، اور اگر بوقت ذبح نام تو اللہ کا لیا مگر جانور کسی غیر اللہ کے نام پر نذر کیا ہوا اور اس کی رضامندی کے لیے قربانی کیا ہے تو جمہور فقہاء نے اس کو بھی ما اهل به لغير الله کے تحت حرام قرار دیا ہے۔

پانچواں منخنقہ: یعنی وہ جانور حرام ہے جو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہو یا خود ہی کسی جال میں پھنس کر دم گھٹ کر مر گیا ہو، اگرچہ منخنقہ اور موقوذۃ بھی میتہ کے اندر داخل ہیں مگر اہل جاہلیت ان کو جائز سمجھتے تھے اس لیے خصوصی طور پر ذکر کیا گیا۔

چھٹے موقوذۃ: یعنی وہ جانور جو ضرب شدید سے ہلاک ہوا ہو، جیسے لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے مارا گیا ہو اور جو تیر کسی شکار کو اس طرح قتل کر دے کہ دھار کی طرف سے نہ لگے، ایسے ہی ضرب سے مر جائے وہ بھی موقوذۃ میں داخل ہو کر حرام ہے۔

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ میں بعض اوقات ''معراض'' تیر سے شکار کرتا ہوں، اگر شکار اس سے مر جائے تو کیا کھا سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ جانور عرض تیر کی چوٹ سے مرا ہے تو وہ موقوذۃ میں داخل ہے اس کو مت کھاؤ اور اگر دھار کی طرف سے لگا ہے اور اس نے زخم کر دیا ہے تو کھا سکتے ہو۔ یہ روایت جصاص نے ''احکام القرآن'' میں اپنی اسناد سے نقل کی ہے۔ اس میں شرط یہ ہے کہ تیر پھینکنے کے وقت بسم اللہ پڑھ کر پھینکا گیا ہو۔

جو شکار بندوق کی گولی سے ہلاک کیا گیا ہو اس کو بھی فقہاء نے موقوذۃ میں داخل اور حرام قرار دیا ہے۔ امام جصاص رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں

المقتولة بالبندقة تلك الموقوذة.

یعنی بندوق کے ذریعے جو جانور قتل کیا گیا ہے وہ ہی موقوذہ ہے اس لیے حرام ہے۔ امام اعظم

رحمہ اللہ، شافعی، مالک، وغیرہ سب اسی پر متفق ہیں۔ (قرطبی)

ساتویں متردیہ: یعنی وہ جانور جو کسی پہاڑ، ٹیلے یا اونچی جگہ سے یا کنویں وغیرہ میں گر کر مر جائے وہ بھی حرام ہے۔ اسی لیے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اگر کوئی شکار پہاڑ پر کھڑا ہے اور تم نے تیر بسم اللہ پڑھ کر اس پر پھینکا اور وہ تیر کی زد سے نیچے گر کر مر گیا تو اس کو نہ کھاؤ۔

کیونکہ اس میں بھی احتمال ہے کہ اس کی موت تیر کی زد سے نہ ہوئی ہو بلکہ گرنے کے صدمے سے ہوئی ہو تو وہ متردیہ میں داخل ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر کسی پرندہ پر تیر پھینکا اور وہ پانی میں گر گیا تو اس کے کھانے کو بھی اسی بنا پر منع فرمایا ہے کہ یہاں بھی احتمال ہے کہ اس کی موت پانی میں ڈوبنے سے واقع ہوئی ہو۔ (جصاص)

آٹھویں نطیحہ: یعنی وہ جانور جو کسی ٹکر یا تصادم سے ہلاک ہو گیا ہو، جیسے ریل، موٹر وغیرہ کی زد میں آ کر مر جائے یا کسی دوسرے جانور کی ٹکر سے مر جائے۔

نویں وہ جانور جو کسی درندہ جانور نے پھاڑ دیا ہو، اس سے مر گیا ہو۔

ان نو اقسام کی حرمت بیان فرمانے کے بعد ایک استثناء ذکر کیا گیا فرمایا ﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ یعنی اگر ان جانوروں میں سے تم نے کسی کو زندہ پا لیا اور ذبح کر لیا تو وہ حلال ہو گیا، اس کا کھانا جائز ہے۔

یہ استثناء شروع کی چار قسموں میں نہیں ہو سکتا کیونکہ مردار اور دم میں اس کا امکان ہی نہیں اور خنزیر اور ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ اپنی ذات سے حرام ہیں، ذبح کرنا نہ کرنا ان میں برابر ہے۔ اسی لیے حضرت علی، ابن عباس رضی اللہ عنہما، حسن بصری، قتادہ وغیرہ سلف صالحین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہ استثناء ابتدائی چار کے بعد یعنی منخنقہ اور اس کے بعد سے متعلق ہے۔ اس لیے مطلب اس کا یہ ہو گیا کہ ان بقیہ تمام صورتوں میں اگر جانور زندہ پایا گیا، زندگی کی علامت محسوس کی گئی اور اسی حالت میں اس کو اللہ کے نام پر ذبح کر دیا گیا تو وہ حلال ہے خواہ وہ منخنقہ ہو یا موقوذہ یا متردیہ یا نطیحہ یا جس کو درندہ نے پھاڑ ڈالا ہے، ان میں سے جس کو بھی آثار زندگی محسوس کرتے ہوئے ذبح کر لیا وہ حلال ہو گیا۔

دسویں وہ جانور حرام ہے جو نصب پر ذبح کیا گیا ہو۔ نصب وہ پتھر ہیں جو کعبہ کے گرد عرصے

کیے ہوئے تھے اور اہل جاہلیت ان کی پرستش کرتے تھے اور ان کے پاس لا کر جانوروں کی قربانی ان کے لیے کرتے تھے اور اس کو عبادت سمجھتے تھے۔ اہل جاہلیت ان سب قسموں کے جانوروں کو کھانے کے عادی تھے جو نصب میں داخل ہیں قرآن کریم نے ان سب کو حرام قرار دیا۔

تیرہویں چیز جس کو اس آیت میں حرام قرار دیا ہے وہ استقسام بالازلام ہے۔ ازلام زلم کی جمع ہے۔ زلم اس تیر کو کہتے ہیں جو جاہلیت عرب میں اس کام کے لیے مقرر تھا کہ اس کے ذریعے قسمت آزمائی کی جاتی تھی اور یہ سات تیر تھے۔ جن میں سے ایک پر نعم اور ایک پر لا۔ اور اسی طرح کے دوسرے الفاظ لکھے ہوتے تھے اور یہ تیر بیت اللہ کے خادم کے پاس رہتے تھے۔

جب کسی شخص کو قسمت یا آئندہ کسی کام کا مفید ہونا یا مضر ہونا معلوم کرنا ہوتا تو خادم کعبہ کے پاس جاتے اور سو روپے اس کو نذرانہ دیتے اور ان تیروں کو ترکش سے ایک ایک کر کے نکالتے۔ اگر اس پر نعم نکل آتا تو سمجھتے تھے کہ یہ کام مفید ہے اور اگر لا نکل آتا تو سمجھتے تھے کہ یہ کام نہ کرنا چاہیے۔

حرام جانوروں کے سلسلہ میں اس کا ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عرب کی یہ بھی عادت تھی کہ چند آدمی شریک ہو کر کوئی اونٹ وغیرہ ذبح کرتے مگر گوشت کی تقسیم ہر ایک کے حصہ شرکت کے مطابق کرنے کی بجائے ان جوئے کے تیروں سے کرتے تھے جس میں کوئی بالکل محروم رہتا کسی کو بہت زیادہ کسی کو حق سے کم ملتا تھا۔ اس لیے جانوروں کی حرمت کے ساتھ اس طریقہ کار کی حرمت کا بیان کر دیا گیا۔

علماء نے فرمایا کہ آئندہ کے حالات اور غیب کی چیزیں معلوم کرنے کے جتنے طریقے رائج ہیں خواہ اہل جفر کے ذریعہ یا ہاتھ کے نقوش دیکھ کر یا فال وغیرہ نکال کر یہ سب طریقے استقسام بالازلام کے حکم میں ہیں۔

اور استقسام بالازلام کا لفظ کبھی قمار یعنی جوئے کے لیے بھی بولا جاتا ہے جس میں قرعہ اندازی اور لاٹری کے طریقوں سے حقوق کی تعیین کی جاتی ہے یہ بھی بنص قرآن حرام ہے۔

جس کو قرآن نے میسر کے نام سے ممنوع قرار دیا ہے۔ اسی لیے حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ، مجاہد اور شعبی نے فرمایا ہے کہ جس طرح عرب ازلام کے ذریعے نکالتے تھے اسی طرح فارس و روم میں شطرنج اور چوسر وغیرہ کے مہروں سے یہ کام لیا جاتا ہے وہ ازلام کے حکم میں ہیں۔

(مظہری)

استقسام بالازلام کی حرمت کے ساتھ ارشاد فرمایا: ﴿ذلکم فسق﴾ ، یعنی یہ طریقہ قسمت معلوم کرنے یا حصے مقرر کرنے کا فسق اور گمراہی ہے۔ (معارف القرآن: ۳۰، ج۲، ۲۲۱)

باب اللباس

لباس کی حقیقت:

مرد کے بدن کا وہ حصہ جسے عربی زبان میں "عورت" اور اردو اور فارسی زبان میں "ستر" کہتے ہیں، چھپانا شرعی، طبعی اور عقلی طور پر فرض ہے اور ایمان کے بعد سب سے پہلا فرض جس پر عمل ضروری ہے، وہ اعضائے مستورہ کو چھپانا ہے، یہ فریضہ ابتدائے آفرینش سے ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام کی شریعتوں میں فرض رہا ہے، بلکہ شرائع کے وجود سے بھی پہلے جب جنت میں شجر ممنوعہ کھانے کے سبب حضرت آدم اور حضرت حوا علیہما السلام کا جنتی لباس اتر گیا اور ان کا ستر کھل گیا تو وہاں بھی حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام نے ستر کھلا رکھنا جائز نہیں سمجھا اس لیے حضرت آدم اور حضرت حوا دونوں نے جنت کے پتے اپنے ستر پر باندھ لیے، چنانچہ ارشاد باری ہے: ﴿وطفقا يخصفان عليهما من ورق الجنة﴾ (اعراف) دنیا میں آنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام سے خاتم الرسل ﷺ تک ہر پیغمبر کی شریعت میں ستر چھپانا فرض رہا ہے، اعضاء مستورہ کی تعیین اور تحدید میں تو اختلاف ہوسکتا ہے مگر اصل فرضیت ستر عورت کی تمام انبیاء کی شرائع میں مسلمہ ہے اور یہ فرض ہر انسان مرد و عورت پر فی نفسہ عائد ہے کوئی دوسرا دیکھنے والا موجود ہو یا نہ ہو۔

لباس کیسا ہو؟

لباس کے بارے میں شریعت کی تعلیمات بڑی معتدل ہیں، چنانچہ شریعت نے کسی مخصوص لباس کی تعیین نہیں کی ہے اور نہ اس کی مخصوص ہیئت بتلا کر یہ کہا کہ ہر شخص کے لیے ویسا لباس پہننا ضروری ہے بلکہ ہر علاقہ اور ہر جگہ کے لوگوں کو موسم اور آب و ہوا کے لحاظ سے لباس کے چناؤ میں آزادی دی گئی ہے اور وہ اس لیے ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور حالات کے لحاظ سے مختلف ممالک کے لحاظ سے وہاں کے موسموں کے لحاظ سے، وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے لباس مختلف ہوسکتا ہے مثلاً: کہیں باریک، کہیں موٹا، کہیں کسی وضع، کہیں کسی ہیئت کا لباس اختیار کیا جا

مکلف ہے۔ البتہ اسلام نے چند اہم اور بنیادی اصول اور آداب لباس کے سلسلے میں بتائے ہیں ان آداب اور اصولوں کا لحاظ رکھنا ہر حال میں ضروری ہے۔ ذیل میں ہم آداب اور اصولوں کو پہلے اجمالی طور پر بیان کرتے ہیں پھر ان کو قدرے وضاحت اور تشریح کے ساتھ بیان کریں گے، پھر اس کے بعد لباس سے متعلق مختلف اور متفرق مسائل کو الگ الگ عنوان کے ساتھ ذکر کریں گے۔

لباس کے اجمالی بنیادی اصول:

جیسا کہ پہلے عرض کر دیا ہوں کہ لباس کے متعلق کسی خاص وضع اور تراش کی شریعت نے پابندی نہیں لگائی۔ البتہ لباس کی حدود مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے۔ جتنے بھی لباس ان شرعی حدود میں ہوں گے وہ شرعی لباس کہلائے گا، مختصراً شرعی لباس کے حدود یہ ہیں

1. لباس اتنا چھوٹا، باریک یا چست نہ ہو کہ وہ اعضا ظاہر ہو جائیں جن کا چھپانا واجب ہے، بلکہ لباس ایسا ہونا چاہیے کہ جس سے کما حقہ پردہ پوشی ہوتی ہو۔
2. لباس میں کافروں اور فاسقوں کی نقالی اور تشبہ اختیار نہ کریں۔
3. جس لباس سے تکبر، تفاخر اور اسراف و گھمنڈ مترشح ہوتا ہو اس سے اجتناب کریں۔
4. مالدار شخص اتنا گھٹیا لباس نہ پہنے کہ دیکھنے والے اسے مفلس سمجھیں۔
5. اپنی مالی استطاعت سے زیادہ قیمت کے لباس کا اہتمام نہ کریں۔
6. مرد شلوار، تہبند اور پاجامہ وغیرہ اتنا نیچا نہ پہنیں کہ ٹخنے یا ٹخنوں کا کچھ حصہ اس میں چھپ جائے۔
7. مردوں کے لیے اصلی ریشم کا لباس پہننا حرام ہے۔
8. مرد زنانہ لباس اور عورتیں مردانہ لباس نہ پہنیں۔
9. لباس صاف ستھرا ہونا چاہیے، مردوں کے لیے سفید لباس زیادہ پسند کیا گیا ہے۔
10. خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لیے مکروہ ہے، البتہ کسی اور رنگ کی آمیزش ہو یا سرخ دھاری دار ہو تو مضائقہ نہیں۔

لباس کے بنیادی اصول:

قرآن کریم اور ذخیرۂ احادیث میں تتبع و تلاش کے بعد لباس کے متعلق جو بنیادی اصول

سکتے ہیں وہ لباس کی شرعی حدود ہیں ان سے تجاوز نہیں ہونا چاہیے اور جو لباس ان شرعی حدود کے ہوگا وہ شرعی لباس کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے لباس کے بنیادی اصول بتاتے ہوئے ارشاد فرمایا

﴿یا بنی آدم قد أنزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشا ولباس التقوی ذلک خیر﴾ (سورۃ الأعراف: ۲۶)

"اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لیے ایسا لباس اتارا جو تمہاری پوشیدہ اور شرم کی چیزوں کو چھپاتا ہے اور جو تمہارے لیے زینت کا سبب بنتا ہے اور تقویٰ کا لباس تمہارے لیے سب سے بہتر ہے۔"

معلوم ہوا کہ لباس ایسا ہونا چاہیے جو ستر کو مکمل طرح چھپائے اور اس سے قدرے زینت حاصل ہو۔

اسراف اور تکبر سے بچنا چاہیے

لباس اپنی مالی استطاعت کے مطابق ہونا چاہیے، مالی استطاعت سے بڑھ کر فخر و نمائش اور تکلف کا اہتمام کرنا درست نہیں اور اس میں اسراف کرنا ناجائز ہے، چنانچہ حضور ﷺ کا بڑا اصولی ارشاد ہے:

"کلوا واشربوا وتصدقوا في غیر إسراف ولا مخیلة، أي کبرا." (أخرجه البخاري في اللباس: ۴/ ۲۲)

جناب رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کھاؤ، پیو، صدقہ کرو البتہ اسراف اور تکبر سے اجتناب کرو۔

"وقال ابن عباس رضي الله عنهما: کل ما شئت، والبس ما شئت، ما أخطأتك اثنتان: سرف أو مخیلة"

(انظر الأثر في صحیح البخاري: ۴/ ۲۲)

"جو چاہو کھاؤ، جو چاہو پہنو لیکن دو چیزوں سے اجتناب کرو، ایک اسراف، دوسرا تکبر۔"

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کا کپڑا چاہو پہنو تمہارے لیے جائز ہے لیکن اس میں اسراف نہ ہو اور اسراف اس وقت ہوتا ہے جب آدمی اپنی حیثیت سے بڑھ کر نمائش کے لیے کپڑا پہنتا ہے اور جس کے پہننے سے تکبر پیدا ہوتا ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے۔

دل خوش کرنے کے لیے قیمتی لباس پہننا:

اسراف اور نمائش سے بچتے ہوئے اپنا دل خوش کرنے کے لیے قیمتی لباس پہننا جائز ہے، یعنی ایسا لباس پہننا جس سے جسم کو راحت اور آرام حاصل ہو اور ساتھ ساتھ تھوڑا سا آسائش کا مقصد بھی حاصل ہو، اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے، مثلاً قیمتی لباس پہن لے اس خیال سے کہ جسم کو آرام ملے گا یا دل کو خوش کرنے کے لیے زیبائش کا لباس پہن لے یا کوئی پسندیدہ قیمتی کپڑا پہن لے، ان سب میں وسعت اور گنجائش ہے اور یہ اسراف میں داخل نہیں ہیں۔

قال العلامة الصابوني حفظه الله تعالى: ومما يؤكد أن التزين والتجمل مطلوب، وإنه ليس من الكبر الذي نهى عنه الاسلام، ما روى في الصحيح عنه صلى الله عليه وسلم أنه قال: لا يدخل الجنة من كان في قلبه مثقال ذرة من كبر. قالوا يا رسول الله! إن احدنا يحب أن يكون ثوبه حسنا، ونعله حسنة قال إن الله جميل يحب الجمال. الكبر بطر الحق، اي عدم قبول الحق وغمط الناس، اي احتقارهم وازدرائهم. (أخرجه مسلم رقم ۹ في كتاب الإيمان)

چنانچہ علامہ صابونی فرماتے ہیں کہ شرعی دائرہ میں رہ کر زیب و زینت حاصل کرنا یہ تکبر میں داخل نہیں، صحیح بخاری میں روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر کبر ہوگا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا، صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس عمدہ ہو جوتا عمدہ ہو کیا یہ بھی کبر میں داخل ہے تو "آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جمیل ہیں جمال کو پسند کرتا ہے کبر یہ ہے کہ حق بات کو قبول نہ کرنا اور لوگوں کو حقیر جاننا اور ان کے ساتھ توہین آمیز رویہ رکھنا۔

ٹخنے چھپانا مطلقاً جائز نہیں:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "جو شخص اپنے کپڑے کو تکبر کے ساتھ نیچے گھسیٹے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے۔"

دوسری حدیث میں آتا ہے کہ "مرد کی ازار یا جامہ کا جتنا حصہ ٹخنوں سے نیچے ہوگا وہ حصہ جہنم میں

جائے گا۔" (صحیح بخاری، کتاب اللباس)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے ٹخنوں سے نیچے شلوار، پاجامہ، جبہ، پتلون، تہبند اور لنگی وغیرہ پہننا جائز نہیں، کیونکہ حدیث کے مطابق اس پر دو وعیدیں ہیں، ایک یہ کہ ٹخنوں سے نیچے جتنا حصہ ہوگا وہ جہنم میں جائے گا اور دوسرے یہ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا، اس لیے اس گناہ سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

تکبر نہ ہو تب بھی ٹخنے چھپانا حرام ہے

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ٹخنوں سے نیچے شلوار وغیرہ لٹکانا اس وقت ناجائز ہے جب کہ یہ تکبر کی وجہ سے ہو، اور اگر تکبر نہ ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ جب حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ "ازار کو ٹخنے سے نیچے نہ کرو" اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میرا ازار ٹخنے سے نیچے ڈھلک جاتا ہے، میرے لیے اوپر رکھنا مشکل ہوتا ہے، میں کیا کروں؟ تو اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ تمہارا ازار جو نیچے ڈھلک جاتا ہے، یہ تکبر کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ تمہارے عذر اور مجبوری کی وجہ سے ڈھلک جاتا ہے اس لیے تم ان میں داخل نہیں۔"

(ابوداؤد، کتاب اللباس)

اس واقعہ سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اگر تکبر نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جائز ہے۔

فقہاء کرام رحمہ اللہ کا صحیح قول:

اس سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ سے دو قسم کی روایات آئی ہیں، ایک وہ جن میں کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانا تکبر وغیرہ کی کسی قید کے بغیر بھی ناجائز اور موجب عذاب بتلایا گیا ہے، دوسری قسم کی وہ روایات ہیں جن میں کپڑا ٹخنوں سے نیچے تکبر کے ساتھ لٹکانے کی حرمت آئی ہے، اس لیے بعض فقہاء نے اس مسئلہ میں یوں تفصیل کی ہے کہ اگر تکبر کی وجہ سے نیچے لٹکائے تو مکروہ تحریمی ہے اور تکبر کے بغیر لٹکائے تو مکروہ تنزیہی ہے۔

لیکن علماء محققین کا صحیح قول یہ ہے کہ تکبر ہو یا نہ ہو ہر حال میں کپڑے ٹخنوں سے نیچے کرنا مکروہ تحریمی ہے، ہاں تکبر کی وجہ سے ایسا کرے گا تو گناہ زیادہ ہوگا ورنہ گناہ کم ہوگا، اور اس سے تمام روایات کے درمیان تطبیق بھی ہو جاتی ہے۔

(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو فتح الباری / حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ ۱۰/۲۶۳ کتاب

(اللباس، امداد الفتاویٰ/ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ: ۴/ ۱۱۹)

اور جہاں تک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اجازت ملنے کا تعلق ہے تو اس پر دوسروں کو قیاس کرنا درست نہیں کیونکہ ان کو جو اجازت دی گئی تھی وہ ایک مجبوری کی وجہ سے دی گئی تھی وہ مجبوری یہ تھی کہ ان کے جسم کی بناوٹ ایسی تھی کہ ارادہ کے بغیر بھی بار بار ان کا ازار خود بخود نیچے ڈھلک جاتا تھا، اس لیے ان کو بوجہ مجبوری اجازت دی گئی تھی۔

نیز تکبر کا متحقق ہونا ایک امر مخفی اور پوشیدہ معاملہ ہے اور اس کا پتہ لگانا کوئی آسان کام نہیں ہے کہ تکبر کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے، جب کہ بعض اوقات اس تکبر میں مبتلا شخص کو بھی پتہ نہیں ہوتا کہ وہ تکبر کی حالت میں ہے، اس لیے اس سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ آدمی ٹخنے سے اوپر کپڑا پہنے اور تکبر کی جڑ ہی ختم کر دی جائے:

قال الصابوني حفظه الله تعالى: وينبغي ألاّ يطيل الإنسان الثوب أو العباءة، بحيث يجرهما على الأرض، فما زاد على الكعبين، فإنه مكروه، بل محرم إن كان على سبيل الخيلاء، وجره على الأرض كبرا، يسبب مقت الله وغضبه، فقد قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لا ينظر الله يوم القيامة إلى من جر ثوبه خيلاء" اي زهوا و تكبرا!

(أخرجه البخاري: ٤/ ٢٤، والترمذي رقم ١٧٣٠ في اللباس)

وقال صلى الله عليه وسلم: "ما أسفل من الكعبين من الإزار، ففي النار." أي صاحبه في النار.

(أخرجه البخاري في كتاب اللباس)

وسمع أبوبكر رضي الله عنه الرسول صلى الله عليه وسلم يقول: "من جر ثوبه خيلاء، لم ينظر الله إليه يوم القيامة، فقال أبوبكر يا رسول الله: إن أحدي شقي إزاري يسترخي - أي يسقط أحيانا على الأرض - إلا أن أتعاهد ذلك منه!! فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم: لست ممن يصنعه خيلاء. (صحيح البخاري: ٤/ ٢٣)

فإذا سقط الرداء على الأرض دون قصد، فلا إثم فيه، ولا

چھوٹے بچوں کا بھی ہے کہ ان کے لیے بھی سونے چاندی کا استعمال حلال نہیں، ماں باپ اور عزیز واقارب کو اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ بچوں کو سونے، چاندی کے زیورات وغیرہ استعمال نہ کروائیں۔

افضل لباس کونسا ہے؟

لباس وہ افضل ہے جو ستر کو زیادہ چھپائے، چونکہ شلوار، کرتا، (جبہ) زیادہ ساتر ہے اس لیے اس کو زیادہ پسند کیا گیا ہے نیز "لباس صاف ستھرا ہونا چاہیے اور مردوں کے لیے سفید رنگ کا لباس زیادہ پسندیدہ ہے۔"

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سفید رنگ کے کپڑے پہنو، اس لیے کہ مردوں کے لیے سب سے اچھے کپڑے سفید رنگ کے ہیں اور اپنے مردوں کو بھی سفید کفن دو۔" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے مردوں کے لیے سفید رنگ کا لباس پسند فرمایا، تاہم دوسرے رنگ کے کپڑے پہننا بھی شرعاً جائز ہیں، چنانچہ بعض اوقات حضور اکرم ﷺ سے سفید رنگ کے علاوہ دوسرے رنگ کے لباس پہننا بھی ثابت ہے۔ تاہم زیادہ تر آنحضرت ﷺ سفید کپڑے زیب تن فرماتے تھے، لہذا جو شخص اتباع کی نیت سے سفید لباس پہنے گا تو اس کو اتباع سنت کا ثواب ملے گا۔

وفي فقه المعاملات قال: أفضل لباس الرجال: القميص والسراويل، والقميص هو: الثوب الذي يلبسه أهل الحجاز، وهو لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقد روي الترمذي في سننه، عن أم سلمة زوج النبي صلى الله عليه وسلم، أنها قالت: "كان أحب الثياب إلى النبي صلى الله عليه وسلم القميص" أي الثوب الأبيض السابغ. والأفضل في الثياب أن تكون بيضاء، لأنها لباس أهل الجنة، وإشارة إلى صفاء العقيدة وبياض القلب، فالمؤمن طيب، وكلامه طيب، وعمله طيب، وقد أشار صلى الله عليه وسلم إلى اختيار الأبيض من اللباس فقال صلى الله عليه وسلم: " إلبسوا من ثيابكم البياض، فإنها من خير ثيابكم، وكفنوا فيها موتاكم"

رواه الترمذي رقم (٢٩٩٤)

وفي رواية النسائي: "البسوا الثياب البياض فإنها أطهر وأطيب، وكفنوا فيها موتاكم."

(رواه النسائي ٥٣٢٣، وأخرجه الحاكم في المستدرك ٤/١٨٥)

خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لیے جائز نہیں:

خالص سرخ لباس پہننا مردوں کے لئے جائز نہیں۔ اسی طرح ایسے کپڑے جو عورتوں کے ساتھ مخصوص کیے جاتے ہیں، ایسے کپڑے پہننا بھی مردوں کیلئے جائز نہیں، کیونکہ اس میں عورتوں کے ساتھ تشبہ ہو جائے گا اور یہ تشبہ بھی ناجائز ہے۔

فقد روى البخاري رحمه الله: عن ابن عباس قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المخنثين من الرجال، والمترجلات من النساء. (أخرجه البخاري رقم ٥٨٨٦)

رسول اللہ ﷺ نے لعنت فرمائی ایسی عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرے اور ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرے۔

وفي رواية أخرى: "لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المتشبهين من الرجال بالنساء، والمتشبهات من النساء بالرجال."

والمخنثون: جمع مخنث، وهو من يتشبه من الرجال بالنساء في حركاته، وكلامه، وثيابه، ذلك لأن لكل من الرجل والمرأة خصائص ومزايا خصه الله عز وجل بها، في شكله وهيئته، وكلامه، فالمرأة مفطورة على النعومة، واللطافة، والحياء، فإذا خلعت لباس الحياء، وتشبهت بالرجل في لباسها وهيئتها وكلامها، فقد خرجت عن أصل الفطرة؟ كما أن الرجل إذا تخنث فتشبه بالمرأة، فقد تخلى عن رجولته، وخالف نظام الفطرة فاستحق الخزي والعقوبة.

وقد جاء في صحيح مسلم عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه قال: "صنفان من أهل النار لم أرهما: قوم معهم سياط كأذناب البقر

النظر الى ذلك المشكل مطلقا ولو حيث وجدت الشهوة لم قلت سنتكلم على ذلك في كتاب الحظر والذي يظهر من كلامهم هناك هو الاول . (ردالمحتار ١/ ٤٠٧)

وقال أيضا: وعلى هذا لا يحل النظر الى عورة غيره فوق ثوب ملتزق بها يصف حجمها فيحمل ما مر على ما إذا لم يصف حجمها فليتأمل. (ردالمحتار: ٥/ ٢٣٤)

طلباء اور ملازمین کیلئے پینٹ شرٹ کی پابندی:

بعض تعلیمی اداروں اور سرکاری دفاتر میں طلباء اور ملازمین کیلئے پینٹ شرٹ کو یونیفارم کے طور پر اپنانے کی پابندی ہے، اور یہ طریقہ شرعاً درست نہیں، تعلیمی اداروں اور دفاتر کے ذمہ داروں کو چاہیے کہ وہ یہ ضابطہ ہرگز نہ بنائیں، طلباء اور ملازمین کو اس ناپسندیدہ لباس کے پہننے پر مجبور نہ کریں بلکہ شلوار قمیص جو قومی لباس ہے اور اسلامی اعتبار سے بھی یہ لباس صحیح ہے اس کو اپنانا چاہیے لیکن اس کے باوجود اگر کسی کو تعلیم یا ملازمت وغیرہ کی مجبوری کی وجہ سے اس کو پہننا پڑے اور دل میں اس کو اچھا نہ جانے تو اس وقت بوجہ مجبوری اس کے پہننے کی گنجائش ہے لیکن یاد رہے اس وقت پتلون ایسا ڈھیلا بنایا جائے کہ اعضاء کو اچھی طرح چھپائے۔ نیز ٹخنے سے اوپر رہے ٹخنے سے نیچے لٹکانا اس صورت میں بھی جائز نہیں۔

چاندی کے تار والا کپڑا:

زری دار کپڑے جن کی بنائی میں چاندی کا تار استعمال ہوا اسکے استعمال کا حکم یہ ہے کہ عورتوں کے لئے مطلقاً جائز ہے۔

مردوں کیلئے ریشم یا سونے چاندی کے تار سے بنا ہوا یا کڑھائی والا کپڑا اس شرط سے جائز ہے کہ پٹی یا پھول کی چوڑائی چار انگلیوں سے زیادہ نہ ہو، لمبائی میں کوئی تحدید نہیں، اگر پٹیاں یا پھول متعدد ہوں تو ان کے جواز میں یہ شرط بھی ہے کہ ان کے درمیان پٹی یا پھول کی چوڑائی سے زیادہ فاصلہ ہو، اگر فاصلہ برابر یا کم ہو کہ دیکھنے میں پورا کپڑا ہی ریشمی یا زری دار نظر آتا ہو تو جائز نہیں۔

قال العلامة التمرتاشي رحمه الله تعالى: يحرم لبس الحرير ولو

بحائل على المذهب أو في الثوب يحل على قدر أربع لا المراد لأربع أصابع مضمومة وكذا المنسوج بذهب يحل إذا كان هذا المقدار وإلا لا

وقال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق ولو في عمامة كما بسط في القنية

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: تحت (قوله إلا قدر أربع أصابع إلخ) وهل المراد قدر الأربع أصابع طولا وعرضا بأن لا يزيد طول العلم وعرضه على ذلك أو المراد عرضها فقط وإن زاد طوله على طولها المتبادر من كلامهم الثاني ويعتضد بما يأتي في كلام الشارح عن الحاوي الزاهدي

(قوله وظاهر المذهب عدم جمع المتفرق) أي إلا إذا كان خط منه قزا وخط منه غيره بحيث يرى كله قزا فلا يجوز كما سيذكره عن الحاوي ومقتضاه حل الثوب المنقوش بالحرير تقطيعا ونسجا إذا لم تبلغ كل واحدة من نقوشه أربع أصابع وإن زادت بالجمع ما لم ير كله حريرا تأمل. (رد المحتار ٥/٢٢٤)

مصنوعی ریشم کا حکم:

سوال: آج کل مختلف قسم کے کپڑے مروج ہیں جن میں سے بعض کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ریشمی ہے اسی طرح جو رومال کندھے پر رکھنے کا معمول ہے انکی بھی ایک قسم ریشمی مشہور ہے کیا عرف میں اس قسم کے کپڑے اور رومال کے ریشمی ہونے کا اعتبار کر کے مردوں کے پہننے اسکو حرام کہا جائے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آج کل عموماً مصنوعی ریشم استعمال ہوتا ہے اس لئے اسکا استعمال جائز ہے، اگرچہ عرف میں اسکو بھی ریشم کہتے ہیں ہاں اگر کسی کپڑے کا اصلی ریشمی ہونا ثابت ہو جائے تو اسکا استعمال مردوں کیلئے ناجائز ہوگا بچنا لازم ہوگا۔

محارم کے سامنے بناؤ سنگار کرنا:

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عورت اپنے محارم مثلاً باپ اور بھائیوں

کے سامنے بناؤ سنگار کر کے آئے یا ان کے ساتھ سفر کرے یہ امر فی نفسہ جائز ہے، مگر اس زمانے میں قلوب میں فساد غالب ہے اور ٹی وی اور وی سی آر کی لعنت نے اخلاقی اقدار کو بالکل پامال کر دیا ہے، بے حیائی اور بے غیرتی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ باپ کے اپنی بیٹی کے ساتھ اور بھائیوں کے اپنی بہنوں کے ساتھ منہ کالا کرنے کے واقعات پیش آ رہے ہیں، اس لئے شوہر کے سوا کسی بھی محرم کے سامنے بناؤ سنگار کر کے آنا خطرے سے خالی نہیں، اس سے احتراز ضروری ہے۔

مسنون لباس:

مسنون لباس کونسا ہے؟ اور کس لباس کو مسنون لباس کہا جائے گا، اسکو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ سنت کسے کہتے ہیں؟

سنت کی تعریف:

فقہاء کرام نے سنت کی مشہور تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے:

الطريقة المسلوكة في الدين من غير وجوب ولا افتراض، ومعنى الطريقة المسلوكة: ما واظب عليه النبي صلى الله عليه وسلم ولم يتركه إلا نادراً، أو واظب عليه الصحابة رضي الله عنهم كذلك، كصلاة التراويح، فإن تعلقت بتركها كراهة وإساءة، فهي سنة هدى، وتسمى سنة مؤكدة أيضاً، كالأذان والجماعة، والسنن الرواتب، كسنة الفجر والظهر والمغرب، وإن لم يتعلق بتركه كراهة أو إساءة، تسمى سنن الزوائد والسنن غير المؤكدة، فتارك المؤكدة يعاتب، وتارك الزوائد لا يعاتب.

(رد المحتار، ۱/۱۰۲ وكشاف اصطلاح الفنون، والتعريفات للزمخشري، والتعريفات الاصطلاحي، والقاموس الفقهي، مادة سنة)

خلاصہ اس کا یہ ہے کہ "سنت" کہا جاتا ہے کہ فرض و واجب کے سوا وہ طریقہ جو دین میں رائج ہو اور اس پر آپ کے بعد خلفاء راشدین نے مواظبت کی ہو۔

سنت کی اقسام:

سنت کی دو قسمیں ہیں:

(۱) پہلی قسم وہ ہے جسے آپ ﷺ نے عبادت کے طور پر کیا ہو، اسے سنت مؤکدہ یا سنت ہدیٰ کہا جاتا ہے، جیسے نماز باجماعت، اذان، اقامت، ظہر، مغرب وعشاء کی سنتیں وغیرہ۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو ترک نہ کیا جائے، اسے عادۃً ترک کرنا گناہ اور قابل ملامت ہے۔

(۲) دوسری قسم وہ ہے جسے آپ ﷺ نے عبادت کے طور پر نہ کیا ہو، بلکہ اپنی عادت مبارکہ کے طور پر وہ آپ سے صادر ہوئی ہو، اسے ”سنت عادیہ“ ہے اور اسے ”سنت زائدہ“ بھی کہی جاتی ہے جیسے اونٹ پر سواری کرنا، عمامہ باندھنا، کنگھی کرنا، تیل استعمال کرنے کے بعد چند مخصوص وضع کا لباس پہننا، مخصوص انداز سے بیٹھنا، تہبند باندھنا، زلفیں وغیرہ یہ سب چیزیں سنت عادیہ میں سے ہیں، جسے شرعی اصطلاح میں ”سنت زائدہ“ بھی کہا جاتا ہے، اور اس کا حکم یہ ہے کہ اگر ان چیزوں میں آپ ﷺ کی اتباع اور پیروی مقصود ہو تو ان کے کرنے میں ثواب ہے، اور اگر ان چیزوں میں اتباع کی نیت نہ ہو تو یہ افعال فی نفسہ مباح کے درجہ میں ہیں، اور بلا نیت اتباع سنت (مستحب) کا ثواب نہیں ملے گا، اور نہ کرنے والے پر کوئی ملامت بھی نہیں۔

سنت کی تعریف اور اس کی اقسام واضح ہو جانے کے بعد اب یہ بھی واضح ہونا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کا لباس کیسا تھا، تاکہ لباس مسنون کے تعین میں آسانی ہو سکے۔

آپ ﷺ کا لباس کیسا تھا

جبہ، کرتہ، قمیص، عمامہ، ٹوپی اور لنگی پہننا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے، اور شلوار کا خریدنا بھی احادیث سے ثابت ہے، بعض روایت میں پہننا بھی مذکور ہے۔ (نشر الطیب)

تاہم قمیص آپ ﷺ کو بہت پسند تھی، اور آپ ﷺ جو قمیص مبارک زیب تن فرماتے تھے اس کے چند اوصاف درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا پیراہن مبارک سوتی اور تنگ دامن والا، آستین والا ہوتا تھا، اور آپ کی قمیص مبارک میں گھنڈیاں لگی ہوئی تھیں اور قمیص مبارک کا سینہ پر گریبان تھا، اور یہی قمیص کی سنت ہے۔ (مدارج النبوۃ)

(۲) ملا علی قاری نے امام غزالی سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کا کرتہ (قمیص) سوت کا تھا

ہوتا تھا، جو نہ بہت لمبا بھی نہ تھا اور اس کی آستین بھی زیادہ لمبی نہ تھی۔ مناوی نے حضرت ابن عمرؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ کا کرتہ (قمیص) ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔ علامہ شامیؒ نے لکھا ہے کہ پنڈلی تک ہوتا تھا (شمائل ترمذی)

(٣) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضورﷺ کی قمیص کی آستین ہاتھ کے گٹے تک ہوتی تھی۔ (شمائل ترمذی)

(٤) حضور اکرم ﷺ کی قمیص کی آستین نہ تو تنگ تھی نہ ہی کشادہ تھی، بلکہ درمیانی تھی، اور آستین ہاتھ کے گٹے تک ہوتی تھی اور پونچا وغیرہ چھپ جاتا تھا، مگر انگلیوں سے تجاوز نہ ہوتا تھا۔

(٥) حضور ﷺ کی قمیص کا گریبان سینہ پر ہوتا تھا، کبھی آپ اپنی قمیص کا گریبان کھول لیا کرتے تھے، اور سینۂ اطہر صاف نظر آتا تھا، اور اسی حالت میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ (شمائل ترمذی)

لہٰذا حضور اکرم ﷺ کی جیسی اور جس وضع کی قمیص تھی، ویسی ہی وضع اتباع کی نیت سے پہننا موجب ثواب ہے، اور چونکہ یہ سنت عادیہ میں سے ہے، اس لئے اتباع کی نیت کے بغیر پہننے سے ثواب نہیں ملے گا، اور نہ پہننے پر کوئی کراہت و ملامت بھی نہیں۔ (ردالمحتار ١/١٠٣)

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: اقول: فلا فرق بين السنن وسنن الزوائد من حيث الحكم لانه لا يكره ترك كل منهما، وانما الفرق كون الاول من العبادات والثاني من العادات، لكن اورد عليه أن الفرق بين العبادة والعادة هو النية المتضمنة للاخلاص كما في الكافي وغيره، وجميع افعاله صلى الله عليه وسلم مشتملة عليها كما بين في محله. (ردالمحتار: ١/١٠٣، باب الوضوء)

شرعی لباس:

قرآن وحدیث کی رو سے شرعی لباس کے جو بنیادی اصول اوپر بیان کیے گئے ہیں، ان کی رعایت کرتے ہوئے جو بھی لباس اختیار کیا جائے گا وہ شرعی لباس ہوگا اور حضور اکرم ﷺ کے طرز پر ہوگا، اس لیے اس لباس کو بھی "لباسِ مسنون" کہا جائے گا اور اس کے پہننے سے سنت کا ثواب ملے گا۔

لباس شرعی کے بیان کے سلسلے میں حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ ارشاد فرماتے ہیں

''حضور ﷺ کے طرز پر ہونے کے یہ معنی نہیں کہ بالکل ویسا ہی ہو جیسا حضور ﷺ کا تھا، بلکہ جس لباس کی حضور ﷺ سے اجازت ہو وہ بھی حضور ہی کا طرز ہے اور جو اس پر ہو وہ بھی حضور ﷺ ہی کے طرز پر ہے'' (تسہیل المواعظ، وعظ نمبر ۲۴ صفحہ ۵۰۳)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''لباس مسنون یعنی آنحضرت ﷺ کا لباس ہمیشہ کے لیے کوئی مقرر نہ تھا، بلکہ مختلف حالات، ضعف و قوت اور سفر و حضر اور دیگر بعض اقتضاءات کی وجہ سے مختلف اقسام اور الوان منقول ہیں، لباس سادہ ہو زیادہ تکلف نہ ہو، وضع ایسی ہو کہ جو مسلمانوں کے شعار کو باقی رکھے، دوسرے اہل مذاہب کی وضع نہ ہو جیسا کہ کتب حدیث و شمائل کے تتبع سے ثابت ہے ان امور مذکورہ کی رعایت رکھتے ہوئے باقی معمول آنحضرت ﷺ کا یہ تھا کہ لباس کی فکر میں نہ پڑتے تھے، جو وقت پر جیسا میسر ہو گیا خواہ عمدہ ہو یا معمولی اسی کو استعمال فرما لیا''

كما في زاد المعاد ص ٣٦ جلد اول: والصواب أن أفضل الطريق طريق رسول الله صلى الله عليه وسلم التي سنها وأمر بها ورغب فيها وداوم عليها وهي أن هديه في اللباس أن يلبس ما تيسر من اللباس من الصوف تارة والقطن تارة والكتان تارة.

(امداد المفتین: ص ۹۷۶ باب اللباس)

سونے کا بٹن استعمال کرنا:

مردوں کے لیے خالص سونے کا بٹن استعمال کرنا جائز نہیں، کیونکہ حدیث شریف میں مردوں کے لیے خالص سونے کا استعمال حرام ہونے کی صراحت موجود ہے، اسی طرح حضرات فقہائے کرام رحمہم اللہ نے بھی اس کے ناجائز ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

(ملاحظہ ہو امداد الفتاوی: ۴/۱۲۹)

(ولا يتحلى) الرجل (بذهب وفضة مطلقا إلا بخاتم ومنطقة وحلية سيف منها) أي الفضة إذا لم يرد به التزين.

(رد المحتار، باب اللبس ۶/۳۵۸)

بٹن کھلا رکھنا جائز ہے:

اصل طریقہ تو یہی ہے کہ کرتا اور قمیص وغیرہ کا بٹن بند رکھا جائے تاہم گرمی یا کسی اور وجہ سے کبھی کبھار کھلا رکھے تو یہ بھی درست ہے، کیونکہ کبھی کبھار قمیص کا بٹن کھلا رکھنا آنحضرت ﷺ سے ثابت ہے۔ (شمائل ترمذی، فتاویٰ رشیدیہ صفحہ ۵۲۸)

گریبان ایک طرف رکھنا خلاف سنت ہے:

گریبان گلے کے نیچے سینہ کے درمیان میں رکھنا چاہیے جیسا کہ عام طور پر رکھا جاتا ہے، اس سے ہٹ کر سینہ کے ایک طرف رکھنا جیسا کہ بعض لوگ اس طرح رکھتے ہیں، یہ خلاف سنت ہے۔

كل لباس يكون على خلاف السنة يكون لبسه مكروها وهو مثل الثوب نكدار وثياب الفسق والفجور واهل الاشر والبطر مثل المخرطق واسبال الازار وتطويل الكم وتوسيعه والجيب على الجانب لا على الصدر ونحوه.

(النتف في الفتاوى كتاب الالبسة ١٦٢/١)

ٹوپی اسلامی لباس کا شعار ہے:

عمامہ جسے اردو میں پگڑی اور قلنسوہ جسے اردو میں ٹوپی کہتے ہیں، یہ دونوں قسم کے لباس خود آنحضرت ﷺ سے پہننا ثابت ہیں اور صحابہ کرام نے بھی دونوں کا استعمال فرمایا ہے، ان حضرات سے لے کر آج تک ہر زمانے میں علماء کرام اور صلحاء امت کا اسی پر عمل رہا ہے، جس پر بے شمار دلائل احادیث اور فقہ کی کتابوں میں موجود ہیں، لہٰذا عمامہ باندھنا اور ٹوپی پہننا مسنون ہے، البتہ یہ سنت زائدہ ہے جس کا درجہ مستحب کا ہے، اور یہ لباس کی سنت ہے۔

ننگے سر رہنا پسندیدہ نہیں:

نماز کے علاوہ عام حالات میں بھی عمامہ یا ٹوپی پہننا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا معمول تھا، آج تک دیندار مسلمانوں میں یہ طریقہ چلا آرہا ہے، اسی لئے سر پر ٹوپی یا عمامہ استعمال کرنا اسلامی لباس کا شعار ہے، اور یہی اسلامی تہذیب ہے، اس کے برخلاف عام حالات میں ننگے سر رہنا ناپسندیدہ اور خلاف ادب ہے، اور یہ انگریزوں کی تہذیب ہے جو اسلامی تہذیب کے بالکل خلاف ہے، لہٰذا فساق اور مغربی تہذیب کی نقالی اور انگریزی تہذیب کو چھوڑ کر اسلامی تہذیب کو

لحاظ سے عورتوں کا معاملہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

بہرحال نماز کے علاوہ خارج نماز بھی سر ڈھانپنے کا حکم صحیح احادیث سے ثابت ہے اور یہ اسلامی لباس کا شعار ہے۔ حضور ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور پوری امت کے صلحاء کا عمل اس کے مطابق چلا آ رہا ہے، لہٰذا ٹوپی یا عمامہ پہننے کو [illegible] یا باعث عار سمجھنے کے بجائے اس کے پہننے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپی کا حکم:

نماز ایک عظمت والا فریضہ ہے اس کو بڑے اہتمام کے ساتھ پاک صاف لباس پہن کر اور صاف ستھری ٹوپی سے سر ڈھانک کر ادا کرنا چاہیے، ایسے خراب یا گھٹیا درجے کے یا میلے کچیلے کپڑوں میں نماز پڑھنا مکروہ ہے، جنہیں پہن کر آدمی بڑوں سے ملنے کے لیے جانے میں عار محسوس کرے، لہٰذا ہر نمازی کو چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ صاف ستھری ٹوپی رکھے اور نماز میں اس کو استعمال کرے، پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپی استعمال نہ کرے، کیونکہ ایسی ٹوپی کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ ہے، مسجد کی انتظامیہ کو بھی چاہیے کہ وہ پلاسٹک یا چٹائی کی ٹوپیاں مسجد میں نہ رکھے اور نہ ایسی ٹوپیاں رکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کرے، اور اگر رکھنا بھی چاہے تو کپڑوں کی صاف ستھری ٹوپیاں رکھی جائیں اور انتظام و سلیقے کے ساتھ رکھی جائیں، اور جب کبھی اتفاق سے کسی نمازی کے پاس اپنی ٹوپی نہ ہو اور سر ڈھکنے کے لیے اس کے پاس کوئی بڑا رومال وغیرہ بھی نہ ہو تو ایسی مجبوری کے وقت ننگے سر نماز پڑھنے سے بہتر یہ ہے کہ مسجد میں موجود ٹوپی پہن کر نماز پڑھ لے، لیکن اس کی عادت نہیں بنانی چاہیے۔ (ردالمحتار: ۱/۶۴۲)

وصلاته في ثياب بذلة يلبسها في بيته ومهنة أي خدمة إن له غيرها وإلا لا. بكسر الباء الموحدة وسكون الذال المعجمة الخدمة والابتذال. قال في البحر وفسرها في شرح الوقاية بما يلبسه في بيته ولا يذهب به إلى الأكابر والظاهر أن الكراهة تنزيهية اهـ.

(ردالمحتار: ۱/۶۴۱، مکروہات الصلاۃ)

ٹوپی کی کونسی قسم سنت ہے؟

حدیث شریف کے الفاظ کے مطابق ٹوپی مدور، گول ہونی چاہیے، اور بعض روایات میں

حضور ﷺ کے پاس تین طرح کی ٹوپیاں ہونا ثابت ہیں ایک قسم وہ تھی جو سر کے ساتھ چپکی ہوئی تھی، دوسری قسم وہ تھی جو سر سے کسی قدر اونچی ہوتی تھی۔ جب کہ تیسری قسم کی ٹوپی مذکورہ دونوں قسم کی ٹوپیوں سے نسبتاً زیادہ بڑی اور کشادہ ہوتی تھی کہ کان بھی اس سے ڈھک جاتے تھے۔

(كتاب الوسيلة للموصلي ٦ / ١٩٦)

لہٰذا اس طرح کی ہر قسم کی ٹوپی پہننا بلاشبہ درست ہے اور ہمارے یہاں جو ٹوپیاں مروج ہیں، ان سب سے سنت ادا ہو جاتی ہے، البتہ لباس کے مطابق ٹوپی بھی عمدہ استعمال کرنی چاہیے۔

قراقلی کی ٹوپی پہننا جائز ہے

قراقلی کی ٹوپی کی جتنی اقسام ہمارے یہاں رائج ہیں، ان سب کا استعمال جائز ہے اور ان سے ٹوپی پہننے کی سنت ادا ہو جاتی ہے۔

قراقلی کی ٹوپی بنانے کے سلسلے میں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کسی حلال جانور کی کھال ہو یا حرام جانور کو حلال طریقے سے ذبح کیا جائے تو اس کا گوشت، کھال اور اس کے جسم کے دیگر سارے اجزاء پاک ہو جاتے ہیں اور اگر اس کے پیٹ سے مردہ بچہ نکلا تو وہ بھی پاک سمجھا جائے گا اور اگر زندہ بچہ نکلا تو شرعی طریقے سے ذبح کرنے کے بعد وہ بھی پاک ہو جائے گا، ان تمام صورتوں میں اس جانور یا اس کے بچے کی کھال سے قراقلی کی ٹوپی بنانا جائز ہے اور مردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور اس سے بھی قراقلی کی ٹوپی بنانا جائز ہے، البتہ زندہ جانور (مثلاً بھیڑ وغیرہ) کو ذبح کیے بغیر کسی ایسے طریقے سے اس کا پیٹ چاک کرنا جس سے اس کو تکلیف ہو یا وہ مر جائے یا اس کو اور کسی طرح کی اذیت پہنچانا تاکہ اس کے پیٹ کا بچہ نکال کر اس کی کھال استعمال میں لائی جائے یہ ہرگز جائز نہیں، بہت بڑا گناہ ہے، جو ایسا کرے گا وہ سخت گناہ گار ہوگا، اس لیے اس سے پرہیز کرنا لازم ہے، البتہ بھیڑ کو ذبح کرنے کے بعد پیٹ چاک کرنا یا ذبح کیے بغیر کسی ایسے طریقے سے پیٹ چاک کرنا کہ بھیڑ کو تکلیف محسوس ہی نہ ہو، اس میں گناہ نہیں اور اس کی کھال سے ٹوپی بنانا اور استعمال کرنا درست ہے۔

اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اس میں بھیڑ کی نسل کشی ہے یا بھیڑ سے انتفاع کا جو ایک عام طریقہ کھانے کا ہے اس کی مخالفت ہے ان کی یہ بات درست نہیں، کیونکہ ٹوپی بنانا اور کوئی لباس بنانا یہ بھی بذاتِ خود ایک قسم کا انتفاع ہے۔

يعني الصوف والشعر سنة الأنبياء عليهم السلام لأنه أبعد إلى التواضع

(فتاوى هندية ۱/۳۳۲، كتاب اللباس)

وفيه أيضاً: عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى: لا بأس بلبس القلنسوة الثعالب كذا في المبسوط وكان على أبي حنيفة رحمه الله سنجاب وعلى الضحاك قلنسوة سمور كذا في الغياثية

(عالمگیریۃ: ۵/۳۳۲)

عمامہ لباس کی سنت ہے

عمامہ باندھنا آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ثابت ہے، اس لئے عمامہ باندھنا مسنون ہے، البتہ یہ سنت زائدہ ہے، جس کا درجہ مستحب کا ہے اور یہ لباس کی سنت ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص اتباع سنت کی نیت سے عمامہ باندھے تو باعث اجر وثواب ہے اور اگر کوئی نہ باندھے تو کوئی گناہ بھی نہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ سے عمامہ باندھنے پر مواظبت (دائمی طور پر) ثابت نہیں ہے، چنانچہ صاحب ''زاد المعاد'' فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے کبھی عمامہ کے بغیر صرف ٹوپی استعمال فرمائی اور کبھی بغیر ٹوپی کے صرف عمامہ استعمال فرمایا اور کبھی خود یعنی جنگی ٹوپی استعمال فرمائی، الغرض جس موقع پر جو مناسب سمجھا اسی کو استعمال فرمایا۔

(ملاحظہ ہو زاد المعاد: ۱/۱۳۶ و تاریخ الخمیس ۲/۱۹۰)

قال العلامة الصابوني حفظه الله: من سنن الإسلام لبس العمامة، وهي من شعائر الدين، ومن هدي سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم، فقد كان صلى الله عليه وسلم يلبس العمامة، ويعتم بها في السلم والحرب، وكذلك أصحابه الكرام، كانت لهم عمائم يتوجون بها رؤوسهم، اقتداء بهدي سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم، ويكره للمسلم أن يبقى مكشوف الرأس.

فقد روى مسلم عن جابر رضي الله عنه: "أن رسول الله صلى الله عليه وسلم دخل يوم الفتح وعليه عمامة سوداء."

(أخرجه مسلم رقم: ۱۳۵۸، باب جواز دخول مكة بغير إحرام)

[illegible]

یعنی رسول اللہ ﷺ حالت جنگ اور امن دونوں حالات میں عمامہ باندھا کرتے تھے۔ حضرت عمرو روایت کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔

وروى أيضا عن عمرو بن حريث رضي الله عنه أنه قال: "كأني أنظر إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم وعليه عمامة سوداء، قد أرخى طرفيها بين كتفيه." (أخرجه مسلم رقم ١٣٥٩)

وروى الترمذي عن ركانة أنه سمع النبي صلى الله عليه وسلم: إن فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس.

(أخرجه الترمذي ١٧٨٤ وقال حديث حسن غريب)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ باندھنا ہے

أي العلامة الفارقة التي تميز بين المسلم والمشرك هي العمامة، فهي شعار أهل الإسلام، وأهل العلم والتقى.

فهذا هدي النبي صلى الله عليه وسلم، وتوجيهه للأمة أن يتميزوا عن الكفار بلبس العمائم التي هي تيجان العرب، وهي مظهر عزتهم وكرامتهم، وهي إحدى شعائر الإسلام الخالدة.

ولقد تأسى أصحاب الرسول صلى الله عليه وسلم بهدي النبي الكريم، فكانوا يقتدون به في أقواله، وأفعاله، ولباسه، وحركاته، وسكناته، فلبسوا العمائم، واشتهر ذلك عنهم، حتى صار جزءا من حياتهم، ومن آثارهم الأدبية!

فهذا سيدنا عبد الله بن عمر أشد الناس تمسكا بهدي الرسول صلى الله عليه وسلم الذي قال عنه نافع: لو رأيت ابن عمر يتتبع آثار رسول الله صلى الله عليه وسلم لقلت: إن هذا لمجنون. يروي لنا

عند مسلم في صحيحه عدة طرق، وهذا الحديث، فيقول بسنده عن عبد الله بن دينار: إن رجلا من الأعراب لقي ابن عمر بطريق مكة، فسلم عليه عبد الله بن عمر، وحمله على حمار كان يركبه، وأعطاه عمامة كانت على رأسه، فقال له أصحابه: غفر الله لك، أعطيت هذا الأعرابي حمارا كنت تروح عليه - أي تركبه للراحة - وعمامة تشد بها رأسك، وإنهم الأعراب يرضون باليسير!!

فقال ابن عمر: إن أبا هذا كان ودا - أي صديقا - لعمر بن الخطاب، وإني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن من أبر البر - أي أفضل فعل الخير - صلة الرجل أهل ود أبيه - وإن أباه كان صديقا لعمر - (أخرجه مسلم في كتاب البر رقم: ٢٥٥٢)

هذه سيرة الصحابة، وهذا تأسيهم برسول الله صلى الله عليه وسلم في هيئتهم ولباسهم، ما كانوا يتركون شيئا فعله رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا فعلوه، امتزج حب الرسول صلى الله عليه وسلم بقلوبهم، وسرى حب التأسي به في دمائهم، فلذلك وجدنا ابن عمر، يهدي عمامته لهذا الأعرابي - لأن أباه كان صديقا لعمر بن الخطاب رضي الله عنه.

فأين نحن في هذا الزمان من أناس، زهدوا في هدي سيد المرسلين، فتركوا العمائم - بل عدها البعض من البدع - مع أنها شعار أهل الإسلام؟ وقد ذكرنا فيما سبق حديث الترمذي الذي يقول فيه صلى الله عليه وسلم: إن فرق ما بيننا وبين المشركين العمائم على القلانس.

(أخرجه الترمذي: رقم ١٧٨٣ وقال حديث حسن)

قال في حاشية منتقى الأبحر: العمامة سنة نبوية شريفة، غفل عنها الكثير من الناس، بل زهدوا حتى في تغطية الرأس، بما ليس من

شیئاً یکره، وبه قال الشیخ علي القاري: أن رسول الله صلی الله علیه وسلم ما صلی حاسر الرأس إلا في إحرامه، ومن هنا ذهب فقهاء الحنفیة إلی کراهة الصلاة حاسر الرأس، إلا أن یکون تذللاً لله تعالی، وقد کان صلی الله علیه وسلم إذا اعتم یسدل عمامته بین کتفیه، کما رواه الترمذي.

ومن العجب یصلي بعض أهل العلم حاسري الرأس، وهم یعلمون أن الکفار یصلون حاسري الرؤوس، وقد قال صلی الله علیه وسلم: من تشبه بقوم فهو منهم. (أبو داؤد في سننه رقم ٤٠٣١)

ولابن تیمیة رحمه الله في کتابه القیم "اقتضاء الصراط المستقیم" کلام. (فقه المعاملات)

عمامہ باندھنے کا صحیح طریقہ

عمامہ یعنی پگڑی باندھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کو سر پر گول پیچ دار باندھا جائے جس سے سر اس سے ڈھک جائے، صرف سر کے اردگرد عمامہ لپیٹنا اور سر کے درمیان والا حصہ چھوڑنا مکروہ ہے، البتہ ٹوپی کے اوپر پگڑی باندھنے کی صورت میں سر کے درمیان کا پگڑی سے ڈھانپنا ضروری نہیں اور نہ اس میں کوئی کراہت ہے۔

بغیر ٹوپی عمامہ باندھنا:

اگرچہ بیان جواز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر ٹوپی کے بھی عمامہ استعمال فرمایا ہے لیکن عام معمول عمامہ کے نیچے ٹوپی رکھنے کا تھا، سلف صالحین اور بزرگان دین کا عمل بھی اسی پر رہا ہے اس لیے بغیر ٹوپی کے عمامہ باندھنا خلاف اولیٰ ہے، مکروہ نہیں، نماز پڑھنا بلا کراہت جائز ہے۔

محراب بنا کر عمامہ باندھنا:

عمامہ باندھنے میں سامنے پیشانی پر محراب بنانے کا ذکر کسی معتبر کتاب میں نہیں ملتا، البتہ علماء و صلحاء کو پیشانی پر محراب بناتے دیکھا ہے، لہٰذا محراب بنا کر عمامہ باندھنا سنت تو نہیں ہے لیکن اگر بنا لی جائے تو اس میں کوئی حرج بھی نہیں۔

عمامے کے کپڑے کی مقدار:

صحیح روایات سے عمامے کی کوئی خاص مقدار متعین ہونا ثابت نہیں ہے اس لیے ہر شخص اپنی حیثیت سے جتنا مناسب سمجھے عمامہ باندھ سکتا ہے البتہ نہ زیادہ لمبا ہونا چاہیے اور نہ ہی بہت چھوٹا بلکہ درمیانہ عمامہ ہونا چاہیے۔

وفي اللباس والزينة في الشريعة الإسلامية: المطلب الثاني: قدر العمامة: لقد كانت عمامة رسول الله صلى الله عليه وسلم وسطا لا كبيرة ولا صغيرة، وأنه لم يثبت في طولها وعرضها شيء، فينبغي التوسط فيها اقتداء بالنبي صلى الله عليه وسلم.

وقال القسطلاني في المواهب اللدنية: لم يكن عمامته صلى الله عليه وسلم بالكبيرة التي تؤذي حاملها، ولا بالصغيرة التي تقصر عن وقاية الرأس من الحر والبرد، بل وسطا بين ذلك.

علامہ قسطلانی مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا عمامہ نہ اتنا طویل تھا کہ باندھنے والے کو اٹھانے میں تکلیف ہوتی نہ اتنا مختصر تھا کہ سر کو سردی و گرمی سے نہ بچا سکے، بلکہ درمیانے درجے کا تھا۔

وقال السيوطي في (الحاوي في الفتاوى): وأما مقدار العمامة الشريفة فلم يثبت في حديث، وقد روى البيهقي في شعب الإيمان سألت ابن عمر كيف كان النبي صلى الله عليه وسلم يعتم؟ قال: كان يدير العمامة على رأسه ويغرزها من ورائه ويرسل ذؤابته بين كتفيه، وهذا يدل على أنها عدة أذرع، وذكر عن النووي أن النبي صلى الله عليه وسلم كان له عمامة قصيرة ستة أذرع، وعمامة طويلة اثنا عشر ذراعاً.

وقال الحافظ في فتاويه: لا يحضرني في طول عمامة النبي صلى الله عليه وسلم قدر محدود، وقد سئل عنه الحافظ عبد الغني النابلسي فلم يذكر شيئا، قال ابن حجر المكي: لم يتحدد في

طولها وعرضها شيء.

وأما ما ذكره الطبري من أن طولها سبعة أذرع، وما جاء عن عائشة رضي الله عنها أنها سبعة في عرض ذراع، وأنها كانت في السفر بيضاء، وفي الحضر سوداء من صوف، وأن عذبتها في السفر من غيرها، وفي الحضر منها، فلا أصل له، وفي تصحيح المصابيح لابن الجزري تتبعت الكتب لأقف على قدر عمامة النبي صلى الله عليه وسلم فلم أقف على شيء.

ومن هنا يتبين لنا أنه لم يثبت في قدر عمامته صلى الله عليه وسلم حديث يصح الاعتماد عليه. (ص ٢٦١)

رومال سے عمامہ کی سنت ادا ہو جائے گی:

اوپر کے مسئلہ میں ذکر کردہ تفصیل کی رو سے چونکہ عمامہ کی سنت ادا ہونے کے لیے کپڑے کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں ہے، لہٰذا ناچیز کے خیال میں رومال سے عمامہ باندھنے سے بھی عمامہ کی سنت ادا ہو جائے گی۔

عمامہ میں شملہ کی مقدار:

پگڑی کا شملہ کم سے کم چار انگلی کے برابر اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ تک ہونا چاہیے اور شملہ کا اتنا لمبا ہونا کہ بیٹھنے کی حالت میں کمر سے تجاوز ہو درست نہیں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیریہ: ۵/۳۳)

وفي رواية عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما قال عمم رسول الله صلى الله عليه وسلم ابن عوف بعمامة سوداء كرابيس وأرخاها من خلفه قدر أربع أصابع وقال هكذا فاعتم.

(عمدة القاري: ٢٢/٣٠٧)

شملہ کس جانب رکھا جائے؟

آنحضرت ﷺ سے شملہ کے مختلف طریقے ثابت ہیں اور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ پگڑی کا شملہ پیچھے کی جانب دونوں مونڈھوں کے درمیان چھوڑنا افضل اور مستحب ہے اور

دائیں طرف رکھنا بھی جائز ہے البتہ بائیں طرف رکھنے اور نہ رکھنے میں علماء کا اختلاف ہے بعض نے جائز کہا ہے اور بعض نے ناجائز اور بدعت کہا ہے۔

([illegible] ۲۷۷ [illegible] ص ۱۴۳)

یہ بھی اگر کوئی اپنی عادت یا سہولت کی وجہ سے مستحب سمجھے بغیر شملہ بائیں جانب چھوڑ دے تو یہ بہر حال ناجائز نہ ہوگا۔

عمامہ میں دو شملے رکھنا:

آنحضرت ﷺ کے عمامے کے تذکرے میں دو شملے اور ایک شملہ دونوں کا احادیث سے ثبوت ملتا ہے لہٰذا پگڑی میں ایک شملہ رکھنا بھی درست ہے اور دو شملے رکھنا بھی درست ہے۔

(خلاصۃ الفتاوی ۴/ ۲۵۱)

قال الحافظ ابن قیم رحمه الله : عن عمرو بن حريث قال رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وعليه عمامة سوداء قد أرخى طرفيها بين كتفيه (زاد المعاد ۱/ ۱۳۶)

عمامہ کس رنگ کا ہونا چاہیے؟

پہلے یہ بات ہو چکی ہے کہ عمامہ لباس کی سنت ہے اور عمامہ جس رنگ کا بھی ہو اس سے نفس عمامہ کی سنت ادا ہو جاتی ہے، کسی خاص رنگ کی پابندی شرعاً ضروری نہیں، بلکہ خود عمامہ بھی ضروری نہیں جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، بہر حال عمامہ سیاہ رنگ کا ہو یا سفید رنگ کا ہر طرح درست ہے۔ کیونکہ احادیث میں جناب رسول اللہ ﷺ سے کالا عمامہ باندھنا بھی ثابت ہے چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر آپ کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا، نیز ایک حدیث میں آیا ہے کہ آپ ﷺ منبر پر خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور آپ کے سر مبارک پر کالا عمامہ تھا اور [illegible] فی لباس المحبوب" میں لکھا ہے حضور ﷺ سے سفید عمامہ بھی ثابت ہے، نیز حضرات علماء کرام فرماتے ہیں کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ کو سفید لباس محبوب تھا اور آپ نے سفید لباس پہننے کی ترغیب بھی دی ہے لہٰذا سفید عمامہ باندھنا افضل ہے۔

نیلا اور سبز عمامہ ثابت نہیں:

ذخیرہ احادیث میں تلاش بسیار کے باوجود حضور ﷺ سے نیلا اور سبز عمامہ باندھنے کی کوئی

ثبوت نہیں ملا، البتہ ایک روایت میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سبز پگڑی باندھنے کا ثبوت ملتا ہے۔

"عن سليمان ابن ابي عبد الله قال ادركت المهاجرين الأولين يعتمون بعمائم كرابيس سود و بيض و حمر و خضر و صفر."

(مصنف ابن ابی شیبہ: ۸/۲۴۱)

اور جہاں تک سبز پگڑی باندھنے کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے تو ایسے رنگ کی پگڑی باندھنا فی نفسہٖ جائز ہے، شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی سنت اہل بدعت کی علامت بن جائے تو اس کو بھی ترک کرنا اولیٰ ہے کجا یہ کہ کوئی چیز سنت بھی نہ ہو اور اہل بدعت کا شعار بن جائے اور چونکہ آج کل سبز پگڑی باندھنا بعض اہل بدعت کی علامت اور شناخت بن چکا ہے اس لیے اس کو ترک کرنا اولیٰ ہے۔

"كل سنة تكون شعار أهل البدعة تركها أولى"

(مرقاة شرح مشكوة: ۴/۱۶۷)

في رد المحتار: ۱/۶۴۲ "(قوله تركها أولى) إذا تردد الحكم بين سنة و بدعة كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة."

"جو سنت اہل بدعت کی پہچان اور ان کا شعار بن جائے اسے چھوڑ دینا بہتر ہے، کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی عمل سنت و بدعت کے درمیان مشتبہ ہو جائے تو فعل بدعت پر ترک سنت راجح ہے۔"

نماز میں عمامہ کا حکم:

نماز میں عمامہ اور بغیر عمامہ کے ثواب میں فرق ہوگا یا نہیں؟ اس سوال کے جواب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ جن علاقوں میں عمامے کے بغیر لباس کو نامکمل سمجھا جاتا ہے، اور بغیر عمامہ گھر سے باہر نکلنا اور بڑوں کے مجمع میں جانا معیوب سمجھا جاتا ہے، وہاں بغیر عمامے کے نماز پڑھنا مکروہ ہے، اور یہ اس وجہ سے نہیں کہ سنت پر عمل نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ ان علاقوں کے اعتبار سے عمامہ کے بغیر لباس نامکمل ہے، اور نامکمل لباس (جو صرف گھروں کے اندر استعمال کیا جاتا ہے) میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

المرأة إلى عورة المرأة. ولا يفضي الرجل إلى الرجل في ثوب واحد.
أي لا يضطجع مكشوف العورة مع الرجل يسترهما ثوب واحد. ولا
تفضي المرأة إلى المرأة في الثوب الواحد

(أخرجه مسلم رقم ٣٣٨ باب تحريم النظر إلى العورات)

رسول اللہ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ کوئی مرد کسی مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے اور کوئی عورت کسی عورت کے ستر کی طرف نہ دیکھے، دو مرد ننگے ہونے کی حالت میں ایک کپڑے میں نہ سوئیں اسی طرح دو عورتیں ایک کپڑے میں نہ سوئیں۔

وروى الترمذي عن بهز بن حكيم عن جده قال: قلت يا نبي الله: "عوراتنا ما نأتي منها وما نذر؟" أي ماذا نظهر منها وماذا نستر؟

فقال صلى الله عليه وسلم: احفظ عورتك إلا من زوجتك أو ما ملكت يمينك!؟

فقلت يا رسول الله: إذا كان القوم بعضهم في بعض؟ أي مختلطين في مجلس واحد. قال: إن استطعت ألا يراها أحد فلا يراها!!

قال: قلت يا نبي الله: إذا كان أحدنا خاليا؟ قال: فالله أحق أن يستحيى الناس منه.

(أخرجه الترمذي في كتاب الأدب رقم ٢٧٦٩ وقال حديث حسن)

حضرت بہز بن حکیم اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ! ہم اپنے ستر کس حد تک کھول سکتے ہیں؟ کتنا چھپانا فرض ہے؟ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرو اس کو چھپاؤ، البتہ اپنی بیوی اور مملوکہ باندی کے سامنے، میں نے عرض کیا کہ اگر لوگ ایک مجلس میں گھل مل کر بیٹھے ہوئے ہوں؟ تو ارشاد فرمایا کہ کوشش کرے کہ کوئی اپنا ستر نہ کھولے اور دوسرے کا ستر نہ دیکھے۔

پھر میں نے عرض کیا اگر کوئی تنہائی میں بیٹھا ہوا ہو اس وقت ستر کھول سکتا ہے؟ تو آپ نے

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس سے شرمایا جائے اکیلی تنہائی میں بھی ستر کھولنا جائز نہیں ہے۔

کھیل کود کے وقت ستر کھولنا:

اکثر کھلاڑی کھیل کے وقت صرف جانگیہ پہنتے ہیں اسی طرح پہلوان کشتی کے وقت ران پوری کھلی رکھتے ہیں تو یاد رہے کہ اس وقت بھی ران کا کھلا رکھنا حرام ہے اور ان کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے۔

لقول النبي صلى الله عليه وسلم لجرهد الأسلمي وقد مر به وهو كاشف عن فخذه قال: غط فخذك فإنها من العورة.

(أخرجه الترمذي رقم ٢٧٩٨، وقال هذا حديث حسن)

جناب رسول اللہ ﷺ کا جرہد اسلمی رضی اللہ عنہ پر گزر ہوا اس حال میں کہ ان کا ستر کھولا ہوا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنی ران کو چھپالو کیونکہ یہ ستر میں داخل ہے۔

وقال صلى الله عليه وسلم لعلي رضي الله عنه يا علي لا تبرز فخذك، وفي رواية أخرى لا تبرز فخذك ولا تنظر إلى فخذ حي ولا ميت. (أخرجه أبو داود في الجنائز رقم ٣١٤٠)

اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مخاطب بنا کر فرمایا اے علی اپنی ران کسی کے سامنے ظاہر مت کرو، دوسری روایت میں ارشاد فرمایا کسی زندہ یا مردہ شخص کی ران کی طرف مت دیکھو۔

عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں:

عورت کا ستر دوسری عورت کے حق میں وہی ہے جتنا مرد کا ستر دوسرے مردوں کے سامنے یعنی کسی عورت کے لیے دوسری عورتوں کے سامنے ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ کھولنا یا اس کی طرف دیکھنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے۔

﴿يبني آدم لا يفتننكم الشيطن كما أخرج أبويكم من الجنة ينزع عنهما لباسهما ليريهما سوءاتهما﴾ أي ليريهما عورتهما التي أمر الله بسترها، وحرم كشفها [illegible] في [illegible]

کے مطابق البتہ چہرہ اور ہتھیلیاں ستر میں داخل نہیں۔ ظاہر ہوا کہ ہتھیلی بھی ستر میں داخل ہے، بلکہ قدمین کو بھی بعض حضرات نے ستر میں داخل فرمایا ہے۔

عورت کا حجاب غیر محرم کے سامنے:

اگر عورت کو کسی ضرورت سے غیر محرم کے سامنے آنا پڑے تو عورت کے ذمہ لازم ہے کہ چہرہ سمیت پورے جسم کو برقع یا ڈھیلی چادر سے چھپا کر رکھے۔ غیر محرم کے سامنے بلا ضرورت شدیدہ جسم کے کسی حصہ کو کھولنا جائز نہیں۔

وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لانه عورة بل لخوف الفتنة كمسه وان امن الشهوة لانه اغلظ

(رد المحتار: ۲/۷۹ دار المعرفة بيروت)

چہرے کا پردہ:

﴿يايها النبي قل لازواجك وبناتك ونساء المؤمنين يدنين عليهن من جلابيبهن ذلك ادنى ان يعرفن فلا يؤذين﴾ (سورة الاحزاب)

"اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی صاحبزادیوں سے اور دیگر مسلمان عورتوں سے فرما دیجئے (کہ جب ضرورت پر گھروں سے باہر جانا پڑے تو) اپنے (چہروں کے) اوپر (بھی) چادروں کا حصہ لٹکا کر (چہروں کے) قریب کر لیا کریں۔ اس سے جلد پہچان لی جایا کریں گی تو ان کو ایذا نہ دی جائے گی۔"

تشریح:

اس آیت سے چند چیزیں ثابت ہوئیں۔ اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کی بیویوں اور صاحبزادیوں کے ساتھ دیگر مسلمان عورتوں کو بھی پورے بدن اور چہرے کو ڈھانپ کر نکلنے کا حکم فرمایا گیا۔ اس سے بالکل بے دلیل بات کرنے والوں کی غلط بیانیوں کی واضح تردید ہوگئی کہ پردے کا حکم صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے مخصوص تھا۔

دوسری چیز جو اس آیت سے ثابت ہوئی وہ یہ ہے کہ پردے کے لیے چہرے پر چادر لٹکانے کا حکم فرمایا گیا ہے۔ اس سے ان تجدد پسندوں کے دعوے کی بھی تردید ہوگئی جو کہتے ہیں کہ عورتوں کو چہرے چھپا کر رکھنے کا حکم اسلام میں نہیں ہے بلکہ مولویوں نے ایجاد کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ یہ حکم

اس آیت سے کس طرح انحراف کی صورت نکالتے ہیں؟

تیسری چیز جو اس آیت سے واضح ہوئی، وہ پردے کے لیے جلباب استعمال کرنے کا حکم ہے۔ عربی زبان میں "جلباب" بڑی چادر کو کہتے ہیں۔ جیسے عورتیں اپنے پہننے کے کپڑوں کے اوپر لپیٹ کر باہر نکلتی تھیں۔ قرآن شریف نے آیت بالا میں حکم فرمایا ہے کہ عورتیں جس طرح جلباب کو اعضائے جسم پر اور پہنے ہوئے کپڑے پر ڈالتی ہیں، اسی طرح چہرے پر بھی اس کا ایک حصہ لٹکا لیا کریں۔ جبکہ عورتوں میں چادر لپیٹنے کا رواج بعض علاقوں میں ابھی تک قائم ہے اور برقعہ اسی جلباب کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے۔ برقعہ کی نسبت یہ کہنا کہ شریعت میں اس کی کچھ اصل نہیں، سراسر جہالت ہے۔ برقعہ کا ثبوت تو ارشاد باری تعالیٰ "یدنین علیہن من جلابیبہن" آیت سے ثابت ہے، البتہ فیشنی برقعوں کے متعلق یہ کہنا درست ہے کہ یہ خود بے پردگی کا سبب بن گئے ہیں۔

عورت کے چہرے کو پردے کے حکم سے خارج کرنے کی غلط خیالی بعض دیندار قسم کے لوگوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ دراصل ان لوگوں کو نماز کے مسائل سے دھوکہ لگا ہے کیونکہ فقہ نماز کی کتابوں میں مذکور ہے کہ چہرے اور دونوں ہاتھ (گٹوں تک) اور دونوں پاؤں (ٹخنوں تک) چھوڑ کر عورت کا باقی تمام بدن ستر میں داخل ہے۔

نماز میں اگر چہرہ اور ہاتھ پاؤں کھلے رہیں تو نماز ہو جائے گی، باقی تمام بدن ڈھانپنا فرض ہے۔ یہ مسئلہ شرائط نماز کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔ اگر پردے کے سلسلے میں بیان کیا جاتا تو ان لوگوں کا استدلال کچھ جاندار ہوتا۔ ستر کھول کر نماز ہو جانے کے جواز سے غیر محرم کے سامنے بے پردہ ہو کر منہ کھولے ہوئے آنے کا ثبوت نکالنا بڑی بددیانتی اور خود فریبی ہے بلکہ قرآن و حدیث کے صریح حکم کے خلاف اپنی رائے زنی ہے جو نہایت ہی خطرناک ہے۔ چہرہ چھپانا ضروری ہونے کے لیے سورۃ احزاب کی مذکورہ آیت کے ہوتے ہوئے مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم ان فاسد خیال لوگوں کی تشفی کے لیے ہم چاہتے ہیں کہ جس سے ان لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اس کی تردید پیش کر دیں۔

درمختار میں جہاں شرائط نماز کے بیان میں یہ تصریح ہے کہ چہرہ، کفین (ہتھیلیاں) اور قدمین (پاؤں) کا چھپانا صحت نماز کے لیے ضروری نہیں ہے، وہیں یہ بھی درج ہے کہ

سے خارج ہو جائے تو مقصد پردہ یعنی عصمت وعفت کی حفاظت خطرے میں پڑ جائے گی۔ چہرہ صرف مجمع المحاسن ہی نہیں بلکہ مجمع الفتن بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور عورتوں کو نظر کی حفاظت کی الگ الگ خطاب کے ذریعے تعلیم دی ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك أزكى لهم﴾ (سورة النور)

"آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے زیادہ صفائی کی بات ہے۔" اسی طرح عورتوں کو حکم ہے۔ فرمایا:

﴿وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن إلا ما ظهر منها﴾ (سورة النور)

"اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (کے مواقع کو) ظاہر نہ کریں مگر جو ان سے (غالباً) کھلا رہتا ہے (جس کو ہر وقت چھپانے میں حرج ہے)"

ان آیات میں مردوں اور عورتوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور نامحرم عورتوں پر نظر نہ ڈالیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

اسی طرح بعض احادیث میں بدنظری کو آنکھ کا زنا بتایا گیا ہے۔ اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت پر لذت نفس کے لیے نظر ڈالی تو اس نے آنکھ کا زنا کیا۔ اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے علاوہ کسی مرد کو لذت نفس کے لیے دیکھا تو اس نے بھی زنا کیا۔ تو یہ نظری کا فتنہ عام طور پر چہرے کے حسن کو دیکھ کر ہی پیدا ہوتا ہے۔ اسی سے دل مائل ہوتا ہے جس سے دوسری خرابیاں جنم لیتی ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جسم کے بقیہ اعضاء کی طرح چہرے کو چھپانا بھی ضروری ہے۔ اس کو غیر محرم کے سامنے بلا ضرورت شدیدہ کھولنا ہرگز جائز نہیں۔

بہر حال عرض کرنے کا حاصل یہ ہے کہ خواتین کو غیر محرم کے سامنے چہرے کا کوئی حصہ کھولنے سے مکمل اجتناب کرنا ضروری ہے۔ پورا چہرہ کھولنا یا چہرے کا بعض حصہ کھولنا یا نقاب اس طرح باندھنا کہ آنکھوں کی پٹی کے ساتھ چہرے کا کچھ حصہ ظاہر ہو جائے جس سے چہرہ کی رنگت

ظاہر ہو، حسن کا پتہ چلے یہ مزاج شریعت اور انسانی غیرت کے خلاف ہے، اس لیے خواتین بھی اس کا اہتمام کریں اور مرد حضرات کو بھی چاہیے کہ اپنی خواتین سے چہرے کا پردہ کروائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام خواتین کو دین اور پردے کے احکام سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے اور ہر قسم کے فتنوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

نوٹ: یہ مضمون رسالہ "شرعی پردہ" سے معمولی رد و بدل اور اضافہ ترمیم کے ساتھ ماخوذ ہے۔

غیر محرم کو ہاتھ لگانا:

عورت یا مرد کے ستر کے جس حصہ کو دیکھنا جائز نہیں اس کو ہاتھ لگانا بھی جائز نہیں۔

وما يباح نظر الرجل من الرجل يباح لمسه كذا في الهداية.

(هندية كتاب الكراهية: ٥/٣٢٨)

وفيه أيضا قال: وما حل النظر إليه حل مسه ونظره وغمزه من غير حائل ولكن إنما يباح النظر إذا كان يأمن على نفسه الشهوة فأما إذا كان يخاف على نفسه الشهوة فلا يحل له النظر، وكذلك المس إنما يباح له إذا أمن على نفسه وعليها الشهوة

(هندية: ٥/٣٢٩، كراهية)

اجنبی عورت سے مصافحہ کی ممانعت:

بلا کسی شدید مجبوری کے غیر محرم عورت کو ہاتھ لگانا شرعاً جائز نہیں، رسول اللہ ﷺ نے اس کو ہاتھوں کا زنا قرار دیا ہے، چنانچہ بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ

"والیدان تزنیان وزناهما البطش"

یعنی ہاتھوں کا بھی زنا ہے، ہاتھوں کا زنا یہ ہے کہ (اجنبی مرد و عورت کا) ایک دوسرے کو پکڑنا۔

قوله عليه السلام: لأن يطعن في رأس أحدكم بمخيط من حديد خير له من أن يمس امرأة لا تحل له. (رواه الطبراني والبيهقي)

"سر میں سوئی چبھا دیا جائے یہ بہتر ہے اس سے کہ کسی عورت کو چھوئے جو اس کے لیے حلال نہ ہو۔"

رسول اللہ ﷺ خود بھی عورتوں سے مصافحہ نہیں فرماتے تھے بلکہ اگر کوئی عورت خود درخواست

قال العلامة التمرتاشي رحمه الله تعالیٰ : ولا يتحلى الرجل بذهب و فضة إلا بخاتم ومنطقة و حلية سيف منها و لا يتختم بغيرها كحجر وذهب و حديد وصفر والعبرة بالحلقة لا بالفص .

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالیٰ : (قوله ولا يتختم إلا بالفضة) هذه عبارة الإمام محمد رحمه الله تعالى في الجامع الصغير اي بخلاف المنطقة فلا يكره فيها حلقة حديد و نحاس كما قدمه وهل حلية السيف كذلك يراجع قال الزيلعي رحمه الله تعالیٰ وقد وردت آثار في جواز التختم بالفضة و كان للنبي صلى الله عليه وسلم خاتم فضة و كان في يده الكريمة حتى توفي صلى الله عليه وسلم ثم في يد ابي بكر رضي الله عنه الى ان توفي ثم في يد عمر رضي الله عنه الى ان توفي ثم في يد عثمان رضي الله عنه الى ان وقع من يده في البئر فانفق مالا عظيما في طلبه فلم يجده و وقع الخلاف فيما بينهم و التشويش من ذلك الوقت إلى ان استشهد رضي الله عنه (قوله فيحرم بغيرها) لما روي الطحاوي بإسناده إلى عمران بن حصين وأبي هريرة رضي الله عنهما قالا نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن خاتم الذهب وروي صاحب السنن بإسناده إلى عبد الله بن بريدة عن ابيه رضي الله عنه ان رجلا جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم وعليه خاتم من شبه فقال له مالي اجد منك ريح الأصنام فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال مالي اجد عليك حلية أهل النار فطرحه فقال يا رسول الله اي شيء إتخذه قال اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالا فعلم ان التختم بالذهب والحديد والصفر حرام فالحق اليشب بذلك لانه قد يتخذ منه الأصنام فاشبه الشبه الذي هو منصوص معلوم بالنص اتقاني والشبه محركا النحاس قاموس وفي الجوهرة والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه

للرجال والنساء. (رد المحتار: ٦/٣٦٠، الحاوي للفتاوی: ٢/٩٠)

خواتین کے لیے انگوٹھی کی تفصیل:

خواتین کے لیے سونے، چاندی کے علاوہ دوسری دھات لوہا، پیتل وغیرہ کی انگوٹھی استعمال کرنے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ تو سمجھنا چاہیے کہ عورتوں کے لیے سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھات لوہا، پیتل وغیرہ کی انگوٹھی پہننے کے بارے میں علما کا اختلاف ہے بعض مکروہ تحریمی کہتے ہیں بعض تنزیہی اور بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ بلا کراہت جائز ہے اس لیے احتیاط اس میں ہے کہ سونے چاندی کے علاوہ دوسری دھات کی انگوٹھی استعمال نہ کی جائے تاہم اگر کوئی استعمال کرے تو اس کی گنجائش ہے۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: تحت قوله (فيحرم بغيرها) وفي الجوهرة والتختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء. (رد المحتار: ٦/٣٥٩)

وفي العالمكيرية قال: التختم بالحديد والصفر والنحاس والرصاص مكروه للرجال والنساء ـ إلى ـ قوله ولا بأس بأن يتخذ خاتم حديد قد لوي عليه فضة (أو ذهب) حتى لا يرى كذا في التبيين.

وفي إمداد الأحكام قال: قلت: والكراهة إذا أطلقت يراد بها كراهة التحريم وبالجملة فلا يجوز التختم بشيء من المعادن إلا للرجال بالفضة وللنساء بها وبالذهب ـ إلى ـ قوله أما قوله صلى الله عليه وسلم التمس ولو خاتما من حديد فلا يدل على جواز اللبس وإنما يدل على جواز اصطناعه للمرأة في مهرها لتنتفع به ببيعها ونحوه وقد حمله علماؤنا الحنفية على المبالغة في الالتماس، فإن المهر عندهم لا يكون أقل من دينار ومعناه التمس ولو شيئا قليلا حتى تعجله في مهرها (٤/٣٥٨)

وفي الحاوي للفتاوى قال: أما التختم بسائر المعادن ما عدا

انه فيه لغير حرام بلا خلاف لكن هل يكره؟ وجهان: أحدهما نعم لحديث بريدة أن رجلا جاء إلى النبي صلى الله عليه وسلم وعليه خاتم من شبه (أي النحاس الأصفر) فقال ما لي أجد منك ريح الأصنام فطرحه ثم جاء وعليه خاتم من حديد فقال ما لي أرى عليك حلية أهل النار. فطرحه فقال: يا رسول الله من أي شيء اتخذه، قال اتخذه من ورق ولا تتمه مثقالا. أخرجه أبو داود، والترمذي وفي سنده رجل متكلم فيه فضعفه النووي في شرح المهذب لأجله ولكن ابن حبان صححه فأخرجه في صحيحه.

والوجه الثاني أنه لا يكره ورجحه النووي في الروضة وفي شرح المهذب قال لضعف الحديث الأول، ولما أخرجه أبو داود بإسناد جيد عن معيقيب الصحابي قال كان خاتم النبي صلى الله عليه وسلم من حديد ملوي عليه الفضة. (الحاوي للفتاوى: ١/٧٥)

فتاوی رشیدیہ میں ہے لوہے اور پیتل کی انگوٹھی میں مرد و عورت یکساں ہیں اور کراہت ان کے پہننے کی تنزیہی ہے نہ تحریمی کہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مردوں کو بھی درست ہے۔ (فتاوی رشیدیہ: ص ۴۹۶)

دانتوں پر سونے چاندی کا خول لگانا:

بعض لوگوں کے دانت ہلتے ہیں اور بعض کے تو نکل کر گر جاتے ہیں اس کے بعد بعض لوگ سونے چاندی کے خول چڑھاتے ہیں شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس کے ساتھ وضوء، غسل کا کیا حکم ہوگا؟

واضح ہو کہ ایسا خول لگانا چونکہ ضرورت میں داخل ہے اور اتارنے میں حرج ہے جو مدفوع ہے شرعاً لہٰذا ایسا خول چڑھانا جائز ہے اور بدون اتارے وضوء اور غسل صحیح ہو جائے گا۔

ومسائلها مشهورة وفي كتب القوم مسطورة، بل مصرحا على جواز اتخاذ الأسنان من الذهب وشدها به ولو كان مانع عن صحة الغسل لما افتوا به. (أحسن الفتاوى: ٢/٣٣)

إذا اضطر شخص أو مرض واحتاج الرجل إلى استعمال الذهب

في تلبيسه فإنه يجوز له للضرورة، للقاعدة الشرعية المشهورة

وهي قولهم: "الضرورات تبيح المحظورات" فإن استعمال الذهب

الذهب في إصلاح الأضراس أو الأسنان، فلا يتسبب عنه

بتعفن الضرس وتسوسه بواسطة الطعام، ولا ينفع في حمايته إلا

الذهب، لأنه لا يصدأ ولا يبلى.

ودليل الإباحة ما روي عن الصحابي "عرفجة بن أسعد" أنه قال:

"أصيب أنفي - أي في إحدى الغزوات - فاتخذت أنفاً من ورق -

أي من فضة - فأنتن علي - أي صارت له رائحة كريهة منتنة بالتغير -

فأمرني رسول الله صلى الله عليه وسلم أن أتخذ أنفاً من ذهب.

فدل هذا الحديث على جواز استعمال الذهب للرجال عند

الضرورة.

علامہ صابونی فرماتے ہیں کہ سونے کے خول چڑھانا جائز ہونے کی دلیل حدیث عرفجہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک غزوہ میں میری ناک شہید ہوگئی میں نے چاندی کی ناک بنوائی وہ بدبودار ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سونے کی ناک بنوالو۔

قال الفقهاء: يجوز لمن سقطت أسنانه، أو تحركت أضراسه، أن

يتخذ بدلها من الذهب أو الفضة، وكذلك يجوز لمن قطعت أنفه أن

يتخذ بدلها من الفضة أو الذهب.

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں۔

اگر کسی شخص کا دانت ہلنے لگے تو اس کو سونے یا چاندی کی تار سے باندھنا جائز ہے جیسا کہ فتاوی قاضی خان میں ہے

إذا تحركت سنة الرجل فأراد أن يشدها بذهب أو فضة لا

بأس به وليس هذا كالتحلي الخ. (إمداد المفتين: ص ٨٦٥)

قال محمد رحمه الله يشدها بالذهب أيضاً وهو رواية عن الإمام

أبي حنيفة ذكره الحاكم في المنتقى والتتي في خلاصة الفتاوى يجوز باتحاد السن من الذهب والفضة.

(فتاوى عالمگيري كتاب الكراهة باب عاشر ۵/ ۳۱۶)

سونے چاندی کے برتن استعمال کرنا:

آج کل بعض لوگ کھانے پینے کیلئے ایسے برتن استعمال کرتے ہیں جو کہ چاندی یا سونے کے بنے ہوتے ہیں، کیا ازروئے شریعت ایک مسلمان کیلئے ایسے برتنوں کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

یاد رہے کہ حضور ﷺ کی تعلیمات سادگی اور بے تکلفی کا مظہر ہیں سونے چاندی کے برتنوں میں کھانے پینا تکلف اور تکبر ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے اس لیے نبی کریم ﷺ نے اس قسم کے برتنوں کے استعمال سے منع فرمایا ہے لہٰذا ایسے برتنوں کا استعمال جائز نہیں۔

عن حذيفة رضي الله عنه قال نهانا النبي صلى الله عليه وسلم أن نشرب في آنية الذهب والفضة وأن نأكل فيها وعن لبس الحرير والديباج وأن نجلس عليه.

(الصحيح البخاري: ۸۶۸/۲ كتاب اللباس، باب من افترش الحرير من غير لبس)

سونے چاندی کے کیس کی گھڑیاں اور سونے کے نب کا قلم:

سونے چاندی کے کیس کی گھڑیاں اور سونے کے نب کا قلم استعمال کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں امداد المفتین سے ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: آج کل ولایتی گھڑیاں سونے اور چاندی کی جو رائج ہیں ان کا استعمال شرعاً جائز ہے یا ناجائز۔ اندرونی پرزے تمام لوہے کے ہوتے ہیں اوپر کا خول جو ہوتا ہے اس میں بھی غالب حصہ دوسری دھات کا ہوتا ہے اور کمتر سونے کا۔ نیز یہ بھی مطلع فرمائیں کہ آیا ایسی چیزوں پر زکوٰۃ دینا چاہیے یا نہیں اور یہ بھی تحریر فرمائیں کہ فاؤنٹین پین (ولایتی قلم) جس میں سونے کا نب رہتا ہے اس کا استعمال بھی جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

جواب: یہ ولایتی گھڑیاں جن کا کیس سونے چاندی کا کیا جاتا ہے اس میں چونکہ دوسری دھاتیں غالب اور سونا، چاندی مغلوب ہوتا ہے اس لیے یہ سونے چاندی کے حکم میں نہیں بلکہ عام دھاتوں کی طرح اسباب و متاع میں داخل ہیں۔ (صرح به الهداية وغيرها) لہٰذا ان کا استعمال

مردوں کے لیے جائز ہے، اور زکوٰۃ بھی شکل سونے اور چاندی کے ان پر نہیں آتی، البتہ اگر تجارت کے لیے گھڑیاں ہوں تو عام تجارتی مال کی طرح ان پر بھی زکوٰۃ آنے کی، فتاویٰ ہندیہ میں بھی یہ ہے ہوتا ہے وہ بھی غالباً سونے کا نہیں ہوتا اس لیے جائز ہے۔

احکام الصید والذبائح

اللہ تعالیٰ نے حیوانات میں ان جانوروں کو انسان کے لیے حلال قرار دیا جن کا گوشت انسان کے لیے نافع ہے۔ جیسے اونٹ، گائے، بھینس، بھیڑ، بکریاں وغیرہ، اسی طرح بعض جنگلی جانوروں کو بھی حلال قرار دیا ہے جیسے نیل گائے، خرگوش، ہرن وغیرہ۔ جس کی تفصیل حظر و اباحت کے تحت گزر چکی ہے یہاں شکار اور ذبح کے احکام کا بیان ہے۔

قوله تعالى: ﴿أحلت لكم بهيمة الأنعام﴾ (المائدة: ۱)

"حلال ہوئے تمہارے لیے چوپائے مویشی۔"

وقوله تعالى: ﴿يسئلونك ماذا أحل لهم قل أحل لكم الطيبات وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا مما أمسكن عليكم واذكروا اسم الله عليه واتقوا الله إن الله سريع الحساب﴾ (سورة المائدة: ٤)

"آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کیا کیا جانور ان کے لیے حلال کیے گئے ہیں فرما دیجئے کہ تمہارے لیے کل حلال جانور حلال رکھے گئے ہیں اور جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو اور تم ان کو (شکار پر) چھوڑ دو اور ان کو اس طریقہ سے تعلیم دو جو تم کو اللہ نے تعلیم دیا ہے تو ایسے شکاری جانور جس شکار کو تمہارے لیے پکڑیں اس کو کھالو اس پر اللہ کا نام بھی لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہا کرو بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔"

شکار کے حلال ہونے کی شرائط:

اول یہ کہ شکاری کتا یا باز سکھایا اور سدھایا ہوا ہو اور سکھانے سدھانے کا یہ اصول قرار دیا ہے کہ جب تم کتے کو شکار پر چھوڑو تو وہ شکار پکڑ کر تمہارے پاس لے آئے۔ خود اس کو کھانے نہ لگے۔ اور باز کے لیے یہ اصول مقرر کیا ہے کہ جب تم اس کو واپس بلاؤ تو وہ فوراً آجائے اگر چہ وہ شکار

کے پیچھے نہ رہا ہو۔ جب یہ شکاری جانور ایسے سدھ جائیں تو اس سے ثابت ہوگا کہ وہ جو شکار کرتے ہیں تمہارے لیے کرتے ہیں اپنے لیے نہیں۔ اب ان شکاری جانوروں کا شکار خود تمہارا شکار سمجھا جائے گا اور اگر کسی وقت وہ اس تعلیم کے خلاف کریں مثلاً کتا خود شکار کو کھانے لگے یا باز تمہارے بلانے پر واپس نہ آئے تو یہ شکار تمہارا نہیں رہا۔ اس لیے اس کا کھانا جائز نہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ تم قصداً اپنے ارادہ سے کتے کو یا باز کو شکار کے پیچھے چھوڑو، یہ نہ ہو کہ وہ خود بخود کسی شکار کے پیچھے دوڑ کر اس کو شکار کر لیں۔ آیت مذکورہ میں اس شرط کا بیان لفظ "مکلبین" سے کیا گیا ہے۔ یہ لفظ دراصل تکلیب سے مشتق ہے۔ جس کے اصلی معنی کتوں کو سکھلانے کے ہیں، پھر عام شکاری جانوروں کو سکھلانے اور شکار پر چھوڑنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ صاحب جلالین اس جگہ مکلبین کی تفسیر ارسال سے کرتے ہیں جس کے معنی ہیں شکار پر چھوڑنا اور تفسیر قرطبی میں بھی یہ قول نقل کیا گیا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ شکاری جانور شکار کو خود نہ کھانے لگیں بلکہ تمہارے پاس لے آئیں۔ اس شرط کا بیان ﴿مما امسکن علیکم﴾ سے ہوا ہے۔

چوتھی: یہ ہے کہ جب شکاری کتے یا باز کو شکار پر چھوڑو تو بسم اللہ کہہ کر چھوڑو۔ جب یہ چاروں شرطیں پوری ہوں تو اگر جانور تمہارے پاس آنے تک دم توڑ چکا ہو تو بھی حلال ہے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ بغیر ذبح کے تمہارے لیے حلال نہ ہوگا۔

امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک ایک پانچویں شرط یہ بھی ہے کہ یہ شکاری جانور شکار کو زخمی بھی کر دے۔ اس شرط کی طرف لفظ جوارح میں اشارہ موجود ہے۔

مسئلہ: یہ حکم ان وحشی جانوروں کا ہے جو اپنے قبضہ میں نہ ہوں اور اگر کسی وحشی جانور کو اپنے قابو میں کر لیا گیا ہے تو وہ بغیر باقاعدہ ذبح کے حلال نہیں ہوگا۔

آخر آیت میں یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ شکار جانور کے ذریعے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حلال تو کر دیا ہے مگر شکار کے پیچھے لگ کر نماز اور ضروری احکام شرعیہ سے غفلت برتنا جائز نہیں۔

(معارف القرآن: ۳/ [illegible]، سورۃ المائدۃ)

ذبح کرنے کا شرعی طریقہ

ذبح کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ جانور کو قبلہ رو لٹا کر تیز چھری ہاتھ میں لے کر قبلہ رخ ہو کر

عورت کے ذبیحہ کا حکم:

اگر کوئی مسلمان خاتون جو ذبح کے طریقے سے واقف ہو وہ اللہ کا نام لے کر جانور ذبح کرے تو یہ بھی جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں، مذبوحہ بلا کراہت حلال ہے۔

ذبح کے وقت پوری گردن کٹنے کا حکم:

ذبح کے وقت پوری گردن کاٹنا مکروہ ہے کیونکہ اس سے جانور کو بلا ضرورت زائد تکلیف پہنچتی ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص قصداً پوری گردن کاٹ دے تو یہ عمل اگرچہ مکروہ ہے تاہم گوشت کا استعمال مکروہ نہیں ہے۔

نابالغ بچے کے ذبیحہ کا حکم:

اگر نابالغ بچہ ذبح کا طریقہ جانتا ہو اور پھر اللہ کا نام لے کر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔

گونگے کے ذبیحہ کا حکم:

گونگے مسلمان کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔

وشرط كون الذابح مسلما حلالا إلخ. قوله ولو الذابح مجنونا أو امرأة أو صبيا يعقل التسمية والذبح ويقدر أو أقلف أو أخرس (رد المحتار: ٢٩٧/٦ كتاب الذبائح)

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم:

مسلمان کی طرح اہل کتاب یعنی یہودی، نصرانی جو دین سماوی پر ایمان رکھتا ہو اور ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے نام لینے کو ضروری سمجھتا ہو ان کا ذبیحہ فی نفسہ حلال ہے۔

لقوله تعالى: ﴿ وطعام الذين أوتوا الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم ﴾ (سورة المائدة: ٥)

قال ابن عباس: (طعامهم) ذبائحهم. (البخاري: ٣١١/٣)

وقال جمهور الأمة إن ذبيحة كل نصراني حلال سواء كان من بني تغلب وغيرهم وكذلك اليهود. (تفسير قرطبي: ٧٨/٦)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ تمام کفار میں سے اہل کتاب یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ اور ان کی عورتوں سے نکاح حلال قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دین میں

سینکڑوں تحریفات ہونے کے باوجود ان دو مسئلوں میں ان کا مذہب بھی بالکل اسلام کے مطابق ہے یعنی وہ ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا عقیدۃً ضروری سمجھتے ہیں اس کے بغیر جانور کو مردار میتہ ناپاک اور حرام قرار دیتے ہیں۔ الخ (معارف القرآن: [illegible])

وطعام اھل الکتاب قال ابن عباس وابو امامہ ومجاھد وسعید بن جبیر وعکرمۃ وعطاء والحسن ومکحول وابراھیم النخعی والسدی ومقاتل بن حیان یعنی ذبائحھم حلال للمسلمین لانھم یعتقدون تحریم الذبح لغیر اللّٰہ ولا یذکرون علی ذبائحھم الا اسم اللّٰہ وان اعتقدوا فیہ تعالیٰ ما ھو منزہ عنہ تعالیٰ وتقدس.

(تفسیر ابن کثیر مائدہ: ۲/۱۹)

اب اگر کوئی نصرانی ذبح کے وقت اللہ کے نام کے بجائے عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے تو ان کا ذبیحہ حرام ہوگا۔

ویشترط لحل ذبیحۃ الکتابی أن لا یذکر اسم غیر اللّٰہ، فإن ذکر اسم المسیح عند الذبح حرمت ذبیحۃ، لانہ اھل لغیر اللّٰہ، وقد حرم اللّٰہ ما اھل بہ لغیرہ ای ذکر علیھا اسم غیر اللّٰہ تعالیٰ عند الذبح.

(فقہ المعاملات)

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ کوئی یہودی یا نصرانی دین سماوی پر قائم ہو اور اسلامی طریقہ پر ذبح کو ضروری سمجھتا ہو اور وہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیکر ذبح کرے تو اس کا ذبیحہ حلال ہے لیکن موجودہ زمانہ میں ایسے اہل کتاب نایاب ہو چکے ہیں لہٰذا یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حرام کہا جائے گا۔

چنانچہ حضرت مفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ ذبیحہ اہل کتاب پر مفصل بحث فرمانے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ ”مگر تحقیق سے ثابت ہوا کہ وہ اسلامی طریقہ کے مطابق ذبح کو ضروری نہیں سمجھتے کسی بھی طریقہ سے مار دینے کو کافی سمجھتے ہیں اور ان کے ہاں عام معمول ہے مرغی پکڑ کی گردن مروڑ دی اور مشین کا جھٹکا کر دی لہٰذا ان کا ذبیحہ مختلف ہے مرغوب ہونے کے حکم ہونے کی بناء پر حرام ہے“ (احسن الفتاویٰ: [illegible])

حضرت مفتی محمد تقی صاحب مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:

الصلب . (ماخوذ از امداد المفتین)

مشینی ذبیحہ کا حکم:

مشینی ذبیحہ کے بارے میں تفصیل جاننے کے لیے ایک سوال وجواب یہاں نقل کیے جاتے ہیں:

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں

۱۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ احادیث میں جو طریق ذبح مذکور ہے یعنی حلق اور لبہ پر چھری، چاقو وغیرہ دھاری دار آلے سے ذبح یا نحر کرنا "امر تعبدی" نہیں بلکہ "امر عادی" ہے۔ عرب میں چونکہ اسی طرح جانور ذبح کیے جاتے تھے، اس لیے آنحضرت ﷺ نے بھی چند ہدایات کے ساتھ اسی طریق کو قائم رکھا، لہٰذا مسلمان یا کتابی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر جس طریق پر بھی جانور ذبح کرلیں، ذبیحہ حلال ہوگا یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

۲۔ صنعتی ترقی کے اس مشینی دور میں انسان زیادہ سے زیادہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کی بجائے مشینوں سے لے رہا ہے۔ چنانچہ یورپ اور امریکہ میں ایسی برقی مشینیں ایجاد ہوگئی ہیں کہ بہت سارے جانور اس کے نیچے کھڑے کردیے جاتے ہیں اور ایک مرتبہ بٹن دبانے سے ان سب کی گردنیں کٹ جاتی ہیں۔ تو اگر بٹن دبانے والا مسلمان یا کتابی بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر بٹن دبائے تو یہ ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟

الجواب از حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

۱۔ یہ قول صحیح نہیں، جانور کے حلال ہونے کے لیے بنص قرآن "ذکاۃ شرعی" ضروری ہے اور "ذکاۃ اختیاری" کا طریقہ شرعیہ ذبح یا نحر ہے اور ان کا محل حلق اور لبہ ہے جس کا تعین حدیث صحیح میں "امور عادیہ" کے طور پر نہیں بلکہ "تشریعی" طریقہ پر کیا گیا ہے۔

۲۔ اس طرح جانور کی گردن اوپر کی طرف سے کاٹ کر علیحدہ کردینا خواہ دستی چھری کے ذریعہ ہو یا کسی مشین کے ذریعہ، ذبح کے شرعی طریقہ کے خلاف اور باتفاق جمہور ناجائز اور گناہ ہے۔ البتہ جو جانور اس ناجائز طریقہ سے ذبح کردیا گیا ہے اس کا گوشت حلال ہونے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر بٹن دبانے سے بیک وقت چھری سب جانوروں کی گردنوں پر آگئی اور بسم اللہ پڑھ کر بٹن دبا دیا گیا تو یہ ایک بسم اللہ سب کیلئے کافی ہوگئی اور اگر آگے پیچھے گردنیں کٹیں تو یہ بسم اللہ پہلے

جانور کھینچنے کافی ہوگی، باقی جانوروں کے لیے یہ بسم اللہ معتبر نہ ہوگی اور اسی لیے باتفاق امت یہ جانور حرام اور مردار قرار دیے گئے۔

پھر اس طرح گردن کے اوپر سے ذبح کیے ہوئے جانور، جن پر بسم اللہ پڑھنا معتبر بھی ہے، ان کے حلال ہونے میں فقہاء صحابہ و تابعین میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا بھی حرام ہونا منقول ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس طریقہ ذبح کے ناجائز اور گناہ ہونے کے باوجود اس کے گوشت کو حلال قرار دیتے ہیں۔

(صحیح بخاری کتاب الذبائح)

تفصیل و تشریح جواب:

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ قرآن کریم نے کسی جانور کا گوشت حلال ہونے کے لیے ذکاۃ کو ضروری قرار دیا ہے بغیر ذکاۃ شرعی کے ذبیحہ قطعاً حرام ہے۔ یہ ذکاۃ قرآن کا ایک اصطلاحی لفظ ہے جس کی تشریح عنقریب آئے گی۔

سورۂ مائدہ میں قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے:

﴿حرمت علیکم المیتة والدم ولحم الخنزیر وما اهل لغیر اللہ به والمنخنقة والموقوذة والمتردیة والنطیحة وما اکل السبع إلا ما ذکیتم﴾

اس آیت کریمہ میں حرمت سے مستثنیٰ صرف وہ جانور ہیں جن کو ذکاۃ شرعی کے ذریعہ حلال کر لیا گیا ہو۔ ذکاۃ شرعی کے متعلق امام راغب اصفہانی نے مفردات القرآن میں فرمایا:

وحقیقة التذکیة إخراج الحرارة الغریزیة لکن خص فی الشرع بإبطال الحیاة علی وجه دون وجه.

امام راغب کی اس تصریح سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اول یہ کہ ذکاۃ مطلقاً جانور کو قتل کر دینے کا نام نہیں، بلکہ اس کے لیے ایک خاص طریقہ مقرر ہے۔ دوسرے یہ کہ خاص طریقہ محض عادات و رسوم کے تابع نہیں، بلکہ ایک شرعی اصطلاح اور ایک قانون ہے۔

پھر قرآن و سنت نے ذکاۃ کی دو صورتیں قرار دی ہیں۔ ایک اختیاری، جیسے گھریلو اور پالتو جانوروں کی ذکاۃ۔ دوسرے غیر اختیاری، جیسے شکاری یا جو جانور کسی وجہ سے قابو سے نکل جائے

مقررہ طریق پر ذبح نہ کیا جاسکے۔ دوسری صورت کی ذکاۃ حسب تصریح احادیث تکبیر اللہ کے ساتھ تیر یا نیزہ وغیرہ سے زخم لگا کر زخمی کر دینا اور خون بہا دینا جب ذبح و نحر ممکن نہیں۔

اور پہلی قسم یعنی اختیاری ذکاۃ کے لیے ذبح یا نحر ضروری ہے۔ گائے، بیل اور بکری میں ذبح کرنے کا اور اونٹ میں نحر کرنے کا حکم ہے۔

ذبح کی حقیقت یہ ہے کہ چار رگیں یعنی حلقوم اور مری اور ان دونوں کے دو طرف گردن کی رگیں جن کو ودجین کہا جاتا ہے، ان کو قطع کر دینا اور نحر کی صورت یہ ہے کہ جانور کو کھڑا کر کے اس کے لبہ یعنی حلقوم کے گڑھے میں نیزہ یا چھری مار کر ذبح کر دیا جائے۔

قرآن عزیز میں گائے کے متعلق ﴿ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ﴾ اور ﴿فذبحوھا﴾ کے الفاظ سے اور دنبے کے متعلق ﴿وفدیناہ بذبح عظیم﴾ کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ گائے، بیل، بکری، دنبہ وغیرہ میں ذبح کرنا مسنون ہے اور ﴿فصل لربک وانحر﴾ کے الفاظ سے اونٹ کا نحر کرنا معلوم ہوا کیونکہ یہ آیت اونٹ کی قربانی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں اونٹوں کے متعلق صواف کا لفظ بھی آیا ہے جس سے بھی اونٹ کا نحر ہی معلوم ہوتا ہے۔

رسول کریم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل بھی ہمیشہ یہی رہا ہے۔ اس کے خلاف یعنی اونٹ کا ذبح کرنا یا گائے، بکری وغیرہ کا نحر کرنا کہیں منقول نہیں۔ اس لیے باتفاق امت ایسا کرنا جائز نہیں، اگر کسی نے سنت کے خلاف ایسا کر دیا تو حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا گوشت بھی حرام ہوگیا۔ دوسرے ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اگرچہ طریقہ ذکاۃ خلاف سنت ہونے کا گناہ ہوا مگر چونکہ حقیقت ذکاۃ پائی گئی اس لیے گوشت حلال ہے۔

کما فی البدائع ولو نحر ما یذبح وذبح ما ینحر یحل لوجود فری الاوداج ولکن یکرہ لان السنۃ فی الابل النحر وفی غیرھا الذبح (الی قولہ) وقال مالک اذا ذبح البدنۃ لا تحل لان اللہ تبارک وتعالیٰ امر فی البدنۃ بالنحر بقولہ عز شانہ ﴿فصل لربک وانحر﴾ فاذا ذبح ترک المامور بہ فلا یحل۔ (بدائع ٥/٤١)

بدائع میں مذکور ہے کہ اگر ذبح کیے جانے والے جانور کو نحر کر دیا یا نحر کیے جانے والے جانور کو ذبح کر دیا تو یہ حلال ہوگا اس لیے کہ گردن کی رگوں کا کٹنا پایا گیا لیکن مکروہ ہوگا اس لیے کہ سنت

اونٹ میں نحر ہے اور باقی میں ذبح ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ اگر اونٹنی کو ذبح کر دیا تو وہ حلال نہ ہوگی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ اور بعض روایات میں اونٹ کو نحر کرنے کا حکم دیا ہے تو جب اس شخص نے بجائے نحر کے ذبح کر دیا تو اس نے فعل مامور بہ جس کا حکم تھا اس کو ترک کر دیا۔

جانور کے حلال ہونے کے لیے ذکاۃ شرعی کی شرط اور ذکاۃ کی اقسام و احکام کے متعلق مذکورہ بالا تفصیل بحوالہ قرآن و سنت اور اقوال صحابہ و تابعین اتنی بات سمجھنے کے لیے کافی ہیں کہ ذبح کا جو طریقہ رسول کریم ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے وہ محض رسم و عادت نہیں، بلکہ جاہلیت کی رسموں اور عادتوں کو بدل کر ایک 'تعبدی' طریقہ جاری کیا گیا ہے جس کی خلاف ورزی گناہ ہے اور بعض صورتوں میں ذبیحہ بھی حلال نہیں ہوتا۔

موجودہ سوال میں ذکاۃ غیر اختیاری اور اونٹ کے نحر کی بحث نہیں، زیر بحث صرف وہ جانور ہیں جن کی ذکاۃ کا مسنون طریقہ ذبح ہے جیسے گائے، بیل، بکری، دنبہ وغیرہ۔ اس لیے ذبح کی شرعی حقیقت اور اس کی شرائط پر کسی قدر مزید تفصیل لکھی جاتی ہے۔ جس سے دوسرے سوال کا جواب واضح ہو جائے گا۔

ذبح کی تعریف صحیح بخاری میں حضرت عطاء بن رباح سے یہ نقل کی گئی ہے: الذبح قطع الاوداج، اس میں اوداج، ودج کی جمع ہے جو حلقوم اور مری کے دائیں بائیں دو موٹی رگوں کا نام ہے اور عادۃً ان کا قطع کرنا حلقوم اور مری کے ساتھ ہی ہوتا ہے اس لیے مراد ان چاروں چیزوں کا قطع کرنا ہے۔ یعنی حلقوم جس سے سانس اندر آتا جاتا ہے اور مری جس سے غذا اندر جاتی ہے اور دونوں طرف گردن کی موٹی رگیں جن سے خون کا سیلان ہوتا ہے اور ان کا محل متعین کرنے کے لیے ہدایہ میں رسول کریم ﷺ کی حدیث نقل کی ہے جس میں ارشاد ہے:

الذکاۃ بین اللبۃ واللحیین.

یعنی ذبح دونوں جبڑوں کے نیچے گردن اور سینہ کے درمیان گلے تک ہے۔ اس درمیان میں جس جگہ سے بھی کاٹ دیا جائے، ذبح درست ہوگا۔ جمہور فقہاء امت کے نزدیک ذبح کی یہی تعریف ہے اور عام کتب فقہ میں یہی مذکور ہے البتہ اس میں ائمہ مجتہدین کے اقوال مختلف ہیں کہ ان چاروں میں سے اگر کوئی رگ رہ جائے تو ذبیحہ حلال ہوگا یا نہیں؟ جس کی تفصیل میں جانے کی

اس جگہ ضرورت نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذبح کا مسنون اور شرعی طریقہ وہی ہے جو عام طور پر مسلمانوں میں رائج ہے کہ جانور کو لٹا کر گلے کی یہ چار موٹی رگیں قطع کر دی جائیں۔ جن سے خون بہہ جائے اور سر بالکل دھڑ سے علیحدہ بھی نہ ہوگا، گلے کو بالکل آخر تک کاٹ دینے کو نخع کہا جاتا ہے۔ حدیث صحیح بخاری میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

عن ابن جريج قال اخبرني نافع ان ابن عمر نهى عن النخع يقول يقطع ما دون العظم ثم يدع حتى يموت .

یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نخع کرنے سے منع فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ گردن کی آخری ہڈی جس کو نخاع کہا جاتا ہے، اس کو قطع نہیں کرنا چاہیے، بلکہ چار رگیں کاٹ کر چھوڑ دیں یہاں تک کہ جانور مر جائے۔

اور بدائع الصنائع میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل ہے:

الا لا تنخعوا الذبيحة .

یعنی مذبوح کا سر بالکل دھڑ سے مت الگ کرو۔

اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی رائے اور قیاس کا معاملہ نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا منع فرمانا اس کی دلیل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہی نخع کرنے سے منع فرمایا تھا۔ اس لیے گلے کی رگوں کو اتنا گہرا کاٹنا کہ آخر گردن تک پہنچ جائے۔ اس حدیث کی رو سے ناجائز ثابت ہوا اور اس سے زیادہ اشد گناہ اور ناجائز یہ ہے کہ گدی کی طرف سے کاٹا جائے اور سر کو دھڑ سے علیحدہ کر دیا جائے۔ ہدایہ میں ہے:

ومن بلغ بالسكين النخاع او قطع الرأس كره له ذلك وتوكل ذبيحتهٗ وإن ذبح الشاة من قفاها فبقيت حية حتى قطع العروق حل لتحقق الموت بما هو ذكاة .

اور جس شخص نے ذبح کے وقت چھری کو نخاع تک یعنی گردن کی آخری ہڈی تک پہنچا دیا تو یہ مکروہ ہے، مگر ذبیحہ حلال ہے اور اگر بکری کو گدی کی طرف سے ذبح کیا اور وہ عروق ذبح قطع ہونے تک زندہ رہی تو ذبیحہ حلال ہو گیا مگر ایسا کرنا مکروہ ناجائز ہے۔

درمختار شامی میں ہے:

سے فوراً گردن الگ کردی جائے تو طریق ذبح خلاف شرع ہونے کے گناہ کے باوجود بسم اللہ پڑھ کر یہ عمل کیا گیا ہے تو ذبیحہ حلال قرار پائے گا۔

بجلی کی مشینوں کے ذریعہ اوپر کی طرف سے چھری گردن پر رکھ کر گردن کاٹ دینے سے بظاہر یہ صورت تو نہ ہوگی کہ عروق ذبح قطع ہونے سے پہلے موت واقع ہو جائے کیونکہ یہ قطع بڑی سرعت اور تیزی کے ساتھ ہوگا۔ اس لیے اگر مشین کی چھری گردن پر رکھنے والے نے بسم اللہ کہہ کر چھری رکھی ہے تو گو غیر مشروع طریقہ سے ذبح کرنے کا گناہ ہوا مگر گوشت حلال ہو گیا۔

لیکن یہاں ایک مسئلہ دوسرا یہ سامنے آتا ہے کہ بہت سے جانوروں کو مشین کے نیچے کھڑے کر کے ایک مرتبہ بسم اللہ پڑھ بھی لی گئی ہو تو کیا وہ سب جانوروں کے حلال ہونے کے لیے کافی ہے یا صرف پہلے جانور کے لیے کافی ہوگی اور دوسرے جانور مردار ہو جائیں گے۔

اس کے متعلق مقتضی نصوص اور اصول شرعیہ کا یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھنا اور ذبح کرنا دونوں متصل واقع ہوں، معمولی ایک آدھ منٹ کی تقدیم کا کوئی اثر نہ ہوگا کیونکہ اتنا فرق ہو جانا عادۃً ناگزیر ہے مگر اس سے زیادہ تقدیم ہوئی تو یہ تسمیہ ذبح کے متصل نہ ہونے کے سبب کالعدم ہو جائے گا اور جانور مردار قرار پائے گا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

> لوقتها في الذكاة الاختيارية وقت الذبح لا يجوز تقديمها عليه إلا بزمان قليل لا يمكن التحرز عنه لقوله تبارك وتعالى ﴿ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه﴾ والذبح مضمر فيه معناه ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله تعالى عليه من الذبائح ولا يتحقق ذكر اسم الله تعالى على الذبيحة إلا وقت الذبائح. (بدائع الصنائع: ٥/٤٩)

تسمیہ (بسم اللہ) کہنے کا وقت اختیاری ذکاۃ میں عین ذبح کرنے کا وقت ہے لہذا پہلے سے بسم اللہ کہہ لینا ناجائز ہے، بجز اس قدر قلیل زمانہ کے جس سے بچنا ممکن نہ ہو۔ اس لیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ "اور مت کھاؤ اس جانور کا گوشت جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا۔" ذبح کا لفظ یہاں مضمر (پوشیدہ) ہے اور معنی یہ ہیں کہ ذبح کے وقت جس جانور پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اس کا گوشت مت کھاؤ۔ لہذا ذبیحہ پر اللہ کا نام لینا اسی وقت متحقق ہوگا جبکہ ذبح کے وقت نام لیا گیا ہو۔

کی ہے اور صاحب بدائع نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک بکری کو ذبح کرنے کے لیے لٹایا اور اس پر بسم اللہ پڑھی پھر اس کو چھوڑ کر دوسری بکری کو اسی سابقہ تسمیہ پر اکتفاء کر کے ذبح کر دیا تو یہ بکری مردار ہے اس کا کھانا جائز نہیں۔ کیونکہ جو بسم اللہ پڑھی تھی اس کے اور ذبح کے درمیان فصل ہو گیا۔

اور مبسوط میں امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے

ولو أراد الذابح ذبح الشاتين أو ثلاثة فيسمي على الأولى ويذبح فالتسمية على غير ذلك عمدا قال يأكل الشاة التي سمي عليها ولا يأكل ما سوى ذلك (بدائع الصنائع: ٥/٤٩)

صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک ذبح کرنے والا دو یا تین بکریوں کو ذبح کرتا ہے اور اللہ کا نام پہلی پر لیتا ہے اور باقی پر عمداً چھوڑ دیتا ہے (اس کا کیا حکم ہے؟) فرمایا (ایسی صورت میں) صرف پہلی بکری حلال ہے باقی حلال نہیں۔

البتہ اگر دو بکریوں کو ایک ساتھ رکھ کر دونوں کے گلے پر ایک وقت چھری پھیری ہے تو یہ تسمیہ دونوں کے لیے کافی ہوگا اور دونوں حلال ہو جائیں گی۔

لو اضجع شاتين وامر السكين عليهما معا انه تجزئ في ذلك تسمية واحدة. (بدائع: ٥/٥٠)

اگر دو بکریوں کو ایک ساتھ زمین پر لٹایا اور دونوں پر ایک ساتھ چھری پھیری تو اس صورت میں ایک مرتبہ بسم اللہ کہنا کافی ہوگا۔

روایات مذکورہ کی روشنی میں مسئلہ پر بحث: "بہت سے جانور مشین کی چھری کے نیچے قطار سے کر دیے جائیں اور بسم اللہ پڑھ کر ان کی گردن کاٹ دی جاتی ہے" اس میں غیر مشروع طریقہ پر ذبح کرنے کے گناہ کے علاوہ صرف وہ جانور حلال سمجھے جائیں گے جن پر چھری ایک وقت پڑتی ہے۔ بشرطیکہ مشین کی چھری چلانے کے وقت بسم اللہ پڑھ لی گئی ہو اور بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نزدیک یہ بھی طریقہ ذبح غیر مشروع ہونے کے سبب حرام ہے اور جن جانوروں کی گردن پر چھری بسم اللہ پڑھنے کے بعد تدریجاً پڑی ہے وہ ترک تسمیہ کی وجہ سے جمہور کے نزدیک حرام اور مردار قرار پائیں گے۔

خلاصۂ کلام:

مذکورہ بالا تفصیل میں سوال کے دونوں نمبروں کا جواب آ گیا اور خلاصہ اس کا یہ ہے کہ یورپ کے شہروں کا مروجہ طریقہ ذبح خلاف شرع اور موجب گناہ ہے۔ مسلمانوں کو جہاں تک قدرت ہو اس سے بچیں اور اپنے ملکوں میں اس کے رواج کو بند کریں اور یورپ کے علاقوں میں رہنے والے مسلمان جو اس طریقہ کے بدلنے پر قادر نہیں اور گوشت کی ضرورت بہر حال ہے ان کے لیے مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ اس گوشت کا استعمال کرنا جائز ہوگا ان میں سے ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو حرام ہوگا۔

۱۔ مشین کے ذریعہ ذبح کرنے والا آدمی مسلمان، نصرانی یا یہودی ہو۔

۲۔ مشین کی چھری جانوروں کی گردن تک پہنچاتے وقت اس نے خالص اللہ کا نام بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا ہو۔

۳۔ یہ چھری جتنے جانوروں کی گردن پر بیک وقت پڑی ہے وہ جانور ممتاز اور الگ ہوں۔ دوسرے جانور جن پر چھری بعد میں پڑی ہے اور وہ مردار ہیں، ان کا گوشت پہلے جانوروں کے گوشت میں مخلوط نہ ہو گیا ہو۔ مگر ظاہر ہے کہ باہر سے جانے والے اور مختلف علاقوں کے رہنے والے مسلمانوں کو ان شرائط کے پورے ہونے کا علم ہونا آسان نہیں اس لیے اجتناب ہی بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ دار العلوم کراچی)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کا یہ فتویٰ اور اس کے خلاف ایک فتویٰ حضرت اقدس مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں برائے تصویب پیش کیے گئے تو حضرت رحمہ اللہ نے ان الفاظ میں جواب ارشاد فرمایا کہ حضرت مفتی شفیع صاحب مدظلہم کا جواب صحیح ہے، یعنی مشین سے ذبح کرنا جائز نہیں مگر (مذکورہ بالا تفصیل کے ساتھ) ذبیحہ حلال ہوگا۔

مزید تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ (احسن الفتاوی: ۴۷۳/۷)

اہل بدعت کے ذبیحہ کا حکم:

بعد از سلام مسنون ایک مسئلہ معلوم کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بریلویوں کے پیچھے نماز پڑھنا، ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھانا اور ان کے ساتھ نکاح کرنا شرعاً ان کا کیا حکم ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا، رسول اللہ ﷺ کے لیے علم غیب کلی ثابت کرنا، آپ

کی شریعت کا انکار کرتے، آپ کو ہر جگہ حاضر و ناظر سمجھنا، اولیاء اللہ کو نفع و نقصان کا مالک سمجھنا، مافوق الاسباب حاجت روا سمجھنا، ان کی قبروں پر سجدہ کرنا، ان کے تقرب و عبادت کی نیت سے کوئی جانور ذبح کرنا یا مزاروں پر چڑھاوے چڑھانا کفر و شرک ہے۔

ایسے عقائد رکھنے والے شخص کا حکم یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، جو نمازیں پڑھی ہوں ان کا اعادہ لازم ہے، ایسے شخص کا ذبیحہ بھی حرام ہے اور اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔

البتہ جو شخص مندرجہ بالا عقائد سے الگ ہو مگر بدعات (تیجہ، چالیسواں وغیرہ) کا ارتکاب کرتا ہو وہ بدعتی ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، انتظامیہ مسجد پر لازم ہے کہ اسے معزول کر کے کسی صحیح العقیدہ صالح امام کو مقرر کرے، ورنہ سب وبال انتظامیہ پر ہوگا۔ عوام کے لیے حکم یہ ہے کہ اگر قریب میں کوئی صالح امام میسر نہ ہو جس کے پیچھے نماز پڑھ سکیں اور اس بدعتی و فاسق امام کو ہٹانے پر قادر بھی نہ ہوں تو فرض نماز اسی کے پیچھے پڑھیں، جماعت ترک نہ کریں۔ نیز ایسے شخص کے ذبیحہ کھانا حلال، احتیاط اولیٰ ہے۔

اس کے علاوہ جس شخص کے عقائد مشتبہ ہوں، اس کے پیچھے نماز پڑھنے سے، احتیاط اور حتی الامکان اس کے ذبیحہ سے احتراز لازم ہے۔

قال اللّٰه تعالى: ﴿إن اللّٰه لا يغفر أن يشرك به ويغفر ما دون ذلك لمن يشاء﴾ (سورة النساء: ٤٨)

وقال الخليل عليه السلام: ﴿واجنبني وبني أن نعبد الأصنام﴾ (سورة إبراهيم: ٣٥)

وعن عبد الله ابن مسعود رضي اللّٰه عنه: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: "من مات وهو يدعو من دون اللّٰه ندا دخل النار." (رواه البخاري)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کا انتقال اس حالت میں ہوا کہ وہ اللہ کے سوا کسی شریک کو بھی پکارتا ہو وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوگا۔

ولمسلم عن جابر رضي اللّٰه عنه: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: "من لقي اللّٰه لا يشرك به شيئاً دخل الجنة، ومن لقيه

يشرك به شيئاً دخل النار."

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس حال میں ملاقات کی کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی غیر کو شریک ٹھہراتا ہو وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم)

قال العلامة الحلبي رحمه الله تعالى: ما حرر من ان كراهة تقديم الفاسق كراهة تحريم و يكره تقديم المبتدع ايضاً لأنه فاسق من حيث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حيث العمل لأن الفاسق من حيث العمل يعترف بأنه فاسق و يخاف و يستغفر بخلاف المبتدع، والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئاً على خلاف ما يعتقده أهل السنة والجماعة وإنما يجوز الاقتداء به مع الكراهة إذا لم يكن ما يعتقده يؤدي إلى الكفر عند أهل السنة أما لو كان مؤدياً إلى الكفر فلا يجوز أصلاً. (غنية المستملي شرح منية المصلي: ٥١٤)

اہل تشیع کے ذبیحہ کا حکم:

علماء محققین کے نزدیک موجودہ دور کے اہل تشیع تعصب اور بغض و عناد کی وجہ سے اور کفریہ عقائد رکھنے کی وجہ سے ان کے ذبیحہ کا حکم مرتدین کے حکم میں ہو کر کھانے کے قابل نہیں ہے۔

لما قال العلامة طاهر بن عبد الرشيد البخاري الرافضي إن كان يسب الشيخين ويلعنهما فهو كافر وإن كان يفضل عليا على أبي بكر و عمر رضي الله عنهم لا يكون كافرا لكنه مبتدع.

(خلاصة الفتاوى: ٣٨١/٤ كتاب الكراهية)

علامہ عبدالرشید بخاری نے کہا کہ رافضی اگر حضرات شیخین ابوبکر و عمرؓ کو گالی دیتا ہو اور ان پر لعن وطعن کرتا ہو تو وہ کافر ہے اور اگر صرف حضرت علیؓ کو شیخین پر فضیلت دیتا ہو تو وہ کافر نہیں فاسق بدعتی ہے۔

اونٹ ذبح کرنے کا طریقہ:

اونٹ کے ذبح کا مسنون طریقہ "نحر" کرنا یعنی اونٹ کو کھڑا کر کے گردن میں چھرا گھونپ کر رگیں کاٹنا۔

والسنة في ذبح الإبل أن تكون قائمة مقيدة يسهل نحرها . قال تعالى ﴿والبدن جعلناها لكم من شعائر الله لكم فيها خير فاذكروا اسم الله عليها صواف﴾ (حج: ٣٦) قال ابن عباس: صواف أي قياما.

ارشاد باری تعالیٰ ہے قربانی کے اونٹ اور گائے کو ہم نے اللہ کی یادگار بنایا ہے، ان جانوروں میں تمہارے فائدے ہیں سو تم ان پر کھڑے ہو کر اللہ کا نام لیا کرو۔

روى البخاري: عن أنس رضي الله عنه قال: نحر النبي صلى الله عليه وسلم سبع بدن قياما، وضحى بالمدينة كبشين أملحين أقرنين. (أخرجه البخاري في صحيح: ٢٤٩٦/١)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے سات اونٹوں کا نحر فرمایا (یعنی کھڑا کر کے چھرا گھونپ کر رگیں کاٹ کر ذبح فرمایا) اور مدینہ منورہ میں دو چتکبرے سینگ والے مینڈھوں کی قربانی فرمائی۔

عن ابن عمر رضي الله عنه أنه أتى على رجل قد أناخ بدنته ينحرها، فقال له ابن عمر: ابعثها قياما مقيدة، سنة أبي القاسم صلى الله عليه وسلم

(أخرجه البخاري في الصحيح: ٢٤٩٦/١، باب نحر الإبل مقيدة قائمة)

احکام الاضحیہ و العقیقہ

قربانی کا نصاب:

سونے، چاندی، مال تجارت اور گھر میں روزمرہ استعمال کی چیزوں سے زائد سامان کی قیمت لگا کر اس میں نقدی جمع کی جائے۔ ان پانچوں کا مجموعہ یا ان میں سے بعض ۸۷٫۴۸ گرام سونے یا ۶۱۲٫۳۵ گرام چاندی کے برابر ہو جائے تو اس کے ذمہ قربانی واجب ہے لیکن جوڑے کپڑوں سے زائد لباس اور ریڈیو اور ٹی وی جیسی خرافات انسانی حاجات میں داخل نہیں اس لیے ان کی قیمت بھی نصاب میں لگائی جائے گی۔۔

(اخرجه عبد الرزاق في مصنف والبيهقي وابن ابي شيبة)

قال الطحاوي: ولا تجب الأضحية على المسافر.

(الفتاوى الهندية. ٥/٢٩٣)

شریک ہوکر قربانی کرنا:

اونٹ، گائے، بھینس کی قربانی میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، دو، تین آدمی شریک ہوکر بھی قربانی کر سکتے ہیں۔

كما روي عن جابر رضي الله عنه قال: اشتركنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في الحج والعمرة كل سبعة في بدنة، فقال رجل لجابر: أيشترك في البدنة ما يشترك في الجزور؟ قال: ما هي إلا من البدن. (صحيح مسلم: ١/٤٢٤)

حضرت جابرؓ روایت فرماتے ہیں کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حج وعمرہ میں شریک ہوئے تھے، اور قربانی کے بڑے جانور اونٹ میں سات آدمی شریک ہوئے کسی نے پوچھا گائے بھینس میں کتنے آدمی شریک ہو سکتے ہیں؟ فرمایا کہ اس میں سات شریک ہو سکتے ہیں۔

البتہ سات سے زیادہ آدمی کا شریک ہونا جائز نہیں، اگر کسی جانور میں سات سے زیادہ آدمی شریک ہو گئے تو کسی کی بھی قربانی ادا نہ ہوگی۔

ويجب أن يعلم أن الشاة لا تجزي إلا عن واحد وإن كانت عظيمة والبقر والبعير عن سبعة إذا كانوا يريدون به وجه الله تعالى والتقدير بالسبع يمنع الزيادة ولا يمنع النقصان.

(فتاوى هندية: ٥/٣٠٤)

قربانی کے جانور کی عمر:

بکری اور بھیڑ کی عمر ایک سال، گائے بھینس دو سال، اونٹ پانچ سال، البتہ چھ ماہ کا دنبہ اگر موٹا تازہ صحت مند ہو اور دیکھنے میں سال کا نظر آتا ہو تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔

قوله عليه السلام: لا تذبحوا إلا مسنة إلا أن يعسر عليكم فتذبحوا جذعة من الضأن. الجذعة من الضأن التي أتى عليها ستة

على سنة مشهور .

قال العيني : الثني من الغنم والمعز : ما تم له سنة ومن البقر ما تم له سنتان ، ومن الابل ما تم له خمس سنوات ، والصح الجذعة إذا كانت سمينة عظيمة بحيث لو خلطت بالثنايا ، تشبه على الناظر من بعيد . (البناية على الهداية للعيني : ٤/١٨٦)

قربانی کا وقت:

شہر میں قربانی کا وقت عید کی نماز ختم ہونے کے بعد شہر میں کسی بھی ایک جگہ عید کی نماز کا ختم ہونا کافی ہے، اگر کسی نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی تو اس کی قربانی نہیں ہوگی، اس پر لازم ہوگا کہ دوبارہ قربانی کرے۔

لقوله النبي صلى الله عليه وسلم : من ذبح قبل الصلوة فانما هو لحم قدمه لاهله ليس من النسك في شيء .

(أخرجه مسلم : ٢/١٥٥١)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے عید کی نماز نے پہلے قربانی کا جانور ذبح کر دیا اسکی قربانی نہیں ہوئی۔ بلکہ اس نے اپنے گھر والوں کیلئے گوشت حاصل کیا ہے۔

وعن براء بن عازب قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم إن اول ما نبدء او من يومنا هذا ، أن نصلي ثم نرجع فنحر ، فمن اصاب هذا فقد اصاب سنتنا ومن نحر قبل ذلك ، فإنما هو لحم يقدمه لاهله ليس من النسك في شيء ، فقال ابو برده : يا رسول الله ، ذبحت قبل أن اصلي ، وعندي جذعة فقال : اجعلها مكانها . ولن تجزي عن احدك بعدك . (أخرجه البخاري : ٣/٣١٨ ومسلم رقم ١٩٦١)

قربانی کے ایام تین دن ہیں:

قربانی صرف تین دن جائز ہے، یعنی دس، گیارہ، بارہ ذی الحجہ اس کے بعد قربانی کے جانور ذبح کرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی۔

قال في الاختيار : وتختص بايام النحر ، وهي ثلاثة ايام ، وهو

ملازموں کو تنخواہ میں دے دینا جائز ہے یا نہیں؟

۲۔ غریب سید کو یا کسی غنی کو کھال قربانی یا کھال کی قیمت دینا کیسا ہے اور کھال یا قیمت کے ان ہر دو طرح سے دینے میں کچھ فرق ہے یا دونوں کا ایک ہی حکم ہے؟

۳۔ قربانی کا گوشت پختہ یا کچا غیر مسلم ہندوں کو دینا کیسا ہے؟ بینوا توجروا

الجواب: قال في الهداية : واللحم بمنزلة الجلد في الصحيح .

(تتمه جلد ثاني فتاوى امدادية : صـ ۱۳۷)

وفي الدر : فإن بيع اللحم او الجلد به او بدراهم تصدق بثمنه اهـ . (تتمة مذكوره : صـ ۱۳۶)

وفي عالمكيرية : ويهب منها (اي من الاضحية) ما شاء للغني والفقير والمسلم والذمي اهـ . (۲۰۱/۶)

وفيها ايضاً : ولا أن يعطى (أي لا يجوز) اجر الجزار والذبح منها اهـ . (۲۰۲/۶)

قربانی کی کھال کا بعینہ مسجد میں دینا (بشرطیکہ اس کو بعینہ مسجد کے کام میں لایا جاوے یعنی فروخت نہ کیا جائے) اسی طرح اس کا ڈول بنا کر مسجد میں دینا جائز ہے کیونکہ کھال کا بعینہ تصدق صدقہ نافلہ ہے اور صدقہ نافلہ کا مسجد میں دے دینا جائز ہے باقی کھال کو بیچ کر اس کی قیمت مسجد میں دینا جائز نہیں ہے کیوں کہ قیمت کا تصدق واجب ہے اور صدقہ واجب کے لیے تملیک شرط ہے اور مسجد محل تملیک نہیں۔ اسی طرح کھال کی قیمت کو ملازمین مسجد و دیگر اوقاف کی تنخواہ میں دینا بھی جائز نہیں ہے اسی طرح بعینہ کھال یا اس کی قیمت مسجد کے مؤذن یا امام کو اس کی خدمت کے معاوضہ میں بھی دینا جائز نہیں ہے البتہ اگر مؤذن و امام کو مقرر کرتے وقت صاف کہہ دیا گیا ہو کہ قربانی کی کھالوں میں تمہارا کچھ حق نہ ہوگا اس کے بعد اس کو بعینہ کھال یا اس کی قیمت دے دی جائے تو جائز ہے اور صورت ثانیہ میں اس کا فقیر ہونا شرط ہے۔ اسی طرح اس کی قیمت کو مسجد کی مرمت میں بھی صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ ہاں بعینہ کھال اگر مسجد یا اوقاف کے کاموں میں لگا دی جائے تو جائز ہے مثلاً مسجد یا مدرسہ کے لیے ڈول بنا دیے جائیں۔

۲۔ بنو ہاشم کو بعینہ کھال دے دینا درست ہے پھر وہ خواہ اس کو بعینہ کام میں لائے یا

فروخت کر کے قیمت کام میں لائے کیونکہ کھال کا بعینہ تصدق صدقہ نافلہ ہے اور صدقہ نافلہ بنو ہاشم کو دینا جائز ہے مگر کھال بیچ کر اس کی قیمت بنو ہاشم کو دینا جائز نہیں کیونکہ قیمت کا تصدق واجب ہے اور وہ صدقات واجبہ کے مصرف نہیں۔

۳۔ قربانی کا گوشت کچا یا پختہ ہندو یا غیر مسلم کو دینا جائز ہے کیونکہ گوشت کا تصدق واجب نہیں پس وہ ہدیہ ہے یا صدقہ نافلہ اور یہ دونوں کافر ذمی کو دینا درست ہے۔

قلت والمستامن في حكم الذمي في ذلك والحربي المسالم في حكم الذمي فافهم. والله اعلم. (امداد الأحكام: ٤/٢٠٥)

عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں:

کان یا دم کا نصف یا اس سے زائد حصہ کٹا ہوا ہو تو قربانی جائز نہیں۔

جس پاؤں میں عیب ہے اگر وہ زمین پر ٹیک کر کچھ سہارا لے کر چلتا ہے تو قربانی جائز ہے ورنہ نہیں۔

آنکھ کی روشنی نصف یا اس سے کم باقی رہ گئی ہو تو قربانی جائز نہیں۔

اس کے معلوم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جانور کو دو تین دن بھوکا رکھ کر پھر عیب دار آنکھ کو باندھ کر دور سے چارہ دکھاتے ہوئے قریب لائیں، جہاں سے جانور کو نظر آ جائے وہاں نشان کر دیں، پھر صحیح آنکھ کو باندھ کر یہی عمل دہرائیں، پھر دونوں مسافتوں کی نسبت معلوم کر لیں، اگر فرق نصف یا اس سے زائد ہے تو قربانی جائز نہیں ورنہ جائز ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: لا بالعمياء والعوراء والعجفاء والمهزولة لا مخ في عظامها والعرجاء التي لا تمشي الى المنسك اي المذبح والمريضة البين مرضها ومقطوع أكثر الأذن أو الذنب أو العين اي التي ذهب أكثر نور عينها فاطلق القطع على الذهاب مجازا و انما يعرف بتقريب العلف.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله والعرجاء) اي التي لا يمكنها المشي برجلها العرجاء إنما تمشي بثلاث قوائم حتى لو كانت تضع الرابعة على الارض وتستعين بها جاز عناية (قوله الى

السكاء) بكسر السين والقاف من الغنم (قوله ومقطوع أكثر الأذن الخ) في البدائع لو ذهب بعض الأذن أو الألية أو الذنب أو العين ذكر في الجامع الصغير إن كان كثيرا يمنع وإن يسيرا لا يمنع واختلف أصحابنا في الحد الفاصل بين القليل والكثير فعن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أربع روايات وروى محمد رحمه الله تعالى في الأصل والجامع الصغير أنه إن ذهب أكثر من الثلث وعنه أنه الثلث وعنه أنه الربع وعنه أن يكون الذاهب أقل من الباقي أو مثله اهـ بالمعنى والأولى هي ظاهر الرواية وصححها في الخانية حيث قال والصحيح أن الثلث وما دونه قليل وما زاد عليه كثير وعليه الفتوى اهـ ومشى عليها في مختصر الوقاية والإصلاح والرابعة هي قولهما قال في الهداية وقالا إذا بقي الأكثر من النصف أجزأه وهو اختيار الفقيه أبي الليث وقال أبو يوسف رحمه الله تعالى أخبرت بقولي أبا حنيفة رحمه الله تعالى فقال قولي هو قولك قيل هو رجوع منه إلى قول أبي يوسف رحمه الله تعالى وقيل معناه قولي قريب من قولك وفي كون النصف مانعا روايتان عنهما اهـ وفي البزازية وظاهر مذهبهما أن النصف كثير اهـ وفي غاية البيان ووجه الرواية الرابعة وهي قولهما وإليها رجع الإمام أن الكثير من كل شيء أكثره وفي النصف تعارض الجانبان اهـ أي فقال بعدم الجواز احتياطا بدائع وبه ظهر أن ما في المتن كالهداية والكنز والملتقى هو الرابعة وعليها الفتوى كما يذكره الشارح عن المجتبى وكأنهم اختاروها لأن المتبادر من قول الإمام السابق هو الرجوع عما هو ظاهر الرواية عنه إلى قولهما والله تعالى أعلم.

(رد المحتار: ٥/٢٠٦، و أحسن الفتاوى: ٧/٥١٧)

دونوں کانوں کا مقطوعہ حصہ شمار ہوگا:

اگر بکری یا دنبے کے دونوں کان کا اتنا حصہ کٹا ہوا ہو کہ مجموعہ نصف یا اس سے زائد ہو جائے تو

قربانی کرنا خلافِ احتیاط ہے اگر کسی نے کر دی تو ہو جائے گی۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : في البزازية وهل تجمع الجمعة في الايام الثلاثة الأضحية اختلفوا فيه قلت وقدم الشارح في باب المسح على الخفين انه ينبغي الجمع احتياطا.

(رد المحتار : ٥/٢٠٦)

قربانی کے ایام گزر گئے تو قیمت واجب ہے:

اگر قربانی کے تینوں دن گزر گئے اور قربانی واجب ہونے کے باوجود قربانی نہیں کی تو اب جانور ذبح کرنے سے قربانی ادا نہ ہوگی بلکہ ایسے شخص پر لازم ہے کہ ایک متوسط بکرے کی قیمت صدقہ کرے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى : وتصدق بقيمتها غني شراها او لا لتعلقها بذمته شراها او لا فالمراد بالقيمة قيمة شاة تجزي فيها. (رد المحتار : ٥/٢٠٤)

مالِ حرام پر قربانی واجب نہیں:

اگر کسی کی ملک میں صرف حرام مال ہے مثلاً سودی رقم یا رشوت کی کمائی وغیرہ تو ایسے شخص پر قربانی واجب نہیں کیونکہ حرام مال تو سارا ہی صدقہ کرنا واجب ہے لہٰذا قربانی واجب نہیں۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى : في القنية لو كان الخبيث نصابا لا يلزمه الزكوة لان الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد ايجاب التصدق ببعضه اهـ ومثله في البزازية.

(رد المحتار : ٢/٢٥)

زمین کی وجہ سے قربانی واجب ہونے کی تفصیل:

اگر مقدارِ معاش سے زائد زرعی وغیرہ زرعی زمین کی قیمت اور پیداوار کا مجموعہ کوئی ایک بقدر نصاب ہو تو قربانی واجب ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى معزيا الى التتارخانية سئل محمد رحمه الله تعالى عمن له ارض يزرعها او حانوت

يستغلها أو دار غلتها تلزمه الأضحية ولا تكفي لغلته وسنة عياله سنة لا يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفا وعليه الفتوى عندهما لا يحل له. (رد المحتار: ۲/۳۵۰)

وقال أيضا: ولو له عقار يستغله فقيل تلزم لو قيمته نصابا وقيل لو يدخل منه قوت سنة تلزم وقيل قوت شهر فمتى فضل نصاب تلزمه ولو العقار وقفا فإن وجب له في أيامها نصاب تلزم

(رد المحتار: [illegible]؛ ماخذ از احسن الفتاوی: ۷/۳۰۵)

مقروض پر قربانی واجب ہونے کا حکم:

اگر کسی کے ذمہ قرض ہو اور قربانی کے ایام میں اس کی ملک میں کچھ مال بھی ہو تو نصاب سے قرض منہا کرنے کے بعد اگر نصاب میں نقص نہیں آتا نصاب کامل باقی رہتا ہے تو قربانی واجب ہے ورنہ نہیں، نصاب کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔

قال الإمام الكاساني رحمه الله تعالى: ولو كان عليه دين بحيث لو صرف إليه بعض نصابه لانتقص نصابه لا تجب، لأن الدين يمنع وجوب الزكاة فلأن يمنع وجوب الأضحية أولى لأن الزكاة فرض والأضحية واجبة والفرض فوق الواجب. (بدائع: ۵/۶۴)

قربانی کے گوشت سے پہلے کھانا پینا:

قربانی کے دن جس کو گوشت ملنے کی امید ہو اس کے لیے مستحب یہ ہے کہ صبح کچھ نہ کھائے بلکہ پہلا کھانا گوشت سے ہو خواہ اس کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو یا نہ ہو بہرحال قربانی کے گوشت سے پہلے کچھ نہ کھانا مستحب ہے، چائے بھی نہ پئے کیونکہ چائے میں دودھ اور شکر کی وجہ سے غذائیت ہے۔

یہ حکم صرف مستحب ہے، اس کے خلاف کرنے میں کوئی قباحت نہیں۔

قال الإمام الحصكفي رحمه الله تعالى: وندب تأخير أكله عنها وإن لم يضح في الأصح ولو أكل لم يكره أي تحريما.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله في الأصح)

کھا سکتا ہو تو قربانی ہو جاتی ہے ورنہ نہیں، کیونکہ دانتوں سے مقصود یہی ہے۔

قال الإمام الحصكفي رحمه الله تعالى: ولا بالهتماء التي لا اسنان لها ويكفي بقاء الاكثر وقيل ما تعتلف به.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله وقيل ما تعتلف به) وهو وما قبله روايتان حكاهما في الهداية عن الثاني وجزم في الخانية بالثانية وقال قبله والتي لا اسنان لها وهي تعتلف او لا تعتلف لا تجوز. (رد المحتار: ٥/٢٠٦)

وقال الإمام الكاساني رحمه الله تعالى: واما الهتماء وهي التي لا اسنان لها فان كانت ترعى وتعتلف جازت والا فلا وذكر في المنتقى عن ابي حنيفة رحمه الله تعالى انه ان كان لا يمنعها عن الاعتلاف تجزيه وان كان يمنعها عن الاعتلاف إلا أن يصب في حلقها صبا لم تجزيه. (بدائع الصنائع: ٥/٧٥)

وقال في الهندية: واما الهتماء وهي التي لا اسنان لها فان كانت ترعى وتعتلف جازت والا فلا كذا في البدائع.

(عالمگیریة: ٥/٢٩٨) (أحسن الفتاوى: ٧/٥١١)

مشرک کی شرکت سے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی:

کسی مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے شخص کی شرکت سے دوسرے شرکاء کی قربانی نہ ہونے کے متعلق ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے۔

سوال: اضحیہ کے شرکاء میں سے ایک شریک بریلوی ہے، جس کا عقیدہ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ غیب جانتے ہیں اور ہر جگہ حاضر وناظر ہیں، حضور اکرم ﷺ اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ مختار کل ہیں، نفع ونقصان پہنچا سکتے ہیں، بیماری اور صحت، عزت اور اولاد ان کے اختیار میں ہے، اسی بناء پر وہ قبور اولیاء پر اپنی حاجت پوری کرنے کے لیے منتیں مانتا ہے اور نذریں اور چڑھاوے پیش کرتا ہے، کیا ایسا شخص اضحیہ میں شریک ہو جائے تو دوسرے شرکاء کی قربانی ہو جائے گی؟ بینوا توجروا

الجواب: ایسا شخص مشرک ہے، اس کے ساتھ اضحیہ میں شرکت جائز نہیں، جو لوگ اس کے ساتھ

شریک ہوں گے ان میں سے کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔ (احسن الفتاوی: ۷/۵۱۰)

یہ حکم ہر بدعتی کا نہیں ہے بلکہ صرف اس بدعتی کا ہے جس کا فاسد عقیدہ یا مشرکانہ عقائد ہوں۔ جس بدعتی کے ایسے مشرکانہ عقائد نہ ہوں بلکہ صرف تیجہ، چالیسواں وغیرہ بدعات انجام دیتا ہو احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو بھی شریک نہ کیا جائے تاہم اگر کر لیا تو اس سے دوسرے شرکاء کی قربانی میں فرق نہیں پڑے گا۔

میت کی طرف سے قربانی کا حکم:

اگر میت نے قربانی کی وصیت کی تو اس کے حصہ کا گوشت فقراء کو دینا لازم ہے اس میں سے خود کھانا جائز نہیں اور اگر میت نے وصیت نہیں کی بلکہ عزیز و اقارب ایصال ثواب کے لیے میت کی طرف سے قربانی کریں تو اس کا حکم اپنی قربانی کی طرح ہے۔

كما في الشامية ٥/٢٢٨ لو ضحى عن الميت وارثه بأمره ألزمه بالتصدق بها وعدم الأكل وإن تبرع بها عنه له الأكل لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت. (امداد الأحكام: ٤/٢٣٦)

حاجی پر وجوب قربانی کی تفصیل:

جو حاجی آٹھ تاریخ کو منیٰ روانہ ہونے سے پہلے مکہ مکرمہ میں پندرہ دن یا اس سے زیادہ عرصہ مقیم رہا ہو تو اس کے ذمہ حج کی قربانی کے علاوہ مال کی قربانی بھی واجب ہوگی اور جو ایسا نہ ہو یعنی مقیم نہ ہو تو چونکہ مسافر کے ذمہ قربانی واجب نہیں اس لیے مسافر حاجی پر مال کی قربانی واجب نہیں صرف حج تمتع یا قران کی قربانی واجب ہوگی۔

قربانی کے بجائے صدقہ کرنا جائز نہیں:

بعض لوگوں کو یہ خیال ہوتا ہے کہ قربانی کے دنوں میں تو بہت جانور ذبح ہوتا ہے ہر ایک کو گوشت مل ہی جاتا ہے لہٰذا قربانی کے بجائے اگر نقد صدقہ کیا جائے تو بہتر ہوگا یہ خیال قطعاً غلط ہے ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں بلکہ قربانی کے دنوں میں قربانی کرنا ہی عبادت ہے۔

عن عائشة رضي الله تعالى عنها قالت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما عمل ابن آدم من عمل يوم النحر أحب إلى الله من إهراق الدم وإنه ليأتي يوم القيامة بقرونها وأشعارها وأظلافها وإن الدم ليقع من الله بمكان قبل أن يقع بالأرض فطيبوا بها نفسا رواه

(ترمذي وابن ماجه : مشكوة : ص ١٢٨)

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ان دنوں میں یہ نیک کام سب نیکیوں سے بڑھ کر ہے اور قربانی کرتے وقت اور ذبح کرتے وقت خون کا جو قطرہ زمین پر گرتا ہے تو زمین تک پہنچنے سے پہلے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتا ہے تو خوب خوشی اور خوب دل کھول کر قربانی کیا کرو۔ (ترمذی)

مسئلہ قربانی کے بجائے اس رقم کو صدقہ کرنا جائز نہیں اگر کسی نے صدقہ کر دیا تو اس سے قربانی ادا نہیں ہوگی بلکہ دوبارہ قربانی کرنا لازم ہوگا اور اگر ایام قربانی ختم ہو گئے تو ایک متوسط بکرے کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

منت کی قربانی:

جس نے قربانی کرنے کی منت مانی پھر وہ کام پورا ہو گیا جس کے واسطے منت مانی تھی تو اب قربانی کرنا واجب ہے اور یہ قربانی بھی قربانی کے دنوں میں کرے، ہاں اگر قربانی سے صرف ذبح کرنا مراد ہو تو بعد میں بھی نذر پوری کی جا سکتی ہے اور یہ بھی لازم ہے کہ نذر کی قربانی کا گوشت فقراء میں تقسیم کرے، خود استعمال کرنا جائز نہیں، اسی طرح مالداروں کو کھلانا بھی جائز نہیں۔

(بہشتی زیور)

خنثیٰ جانور کی قربانی کا حکم:

خنثیٰ جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اس کا گوشت پکتا نہیں ہے یہ گوشت کے اندر عیب ہے اور عیب دار جانور کی قربانی جائز نہیں اس لیے خنثیٰ کی قربانی جائز نہیں۔

ولا بالخنثى لأن لحمها لا تنضج شرح وهبانية.

قال الشامي: وبهذا التعليل اندفع ما اورده ابن وهبان من انها لا تخلو اما ان تكون ذكرا او انثى وعلى كل تجوز. (٣١٧/٥)

اور اگر علامت نر یا مادہ کی غالب ہو تو قربانی جائز ہے کیونکہ وہ خنثیٰ نہیں۔

(امداد الاحکام : ١/ ٢٧٠)

کمزور جانور کا حکم:

اگر جانور اتنا دبلا ہو جس کی ہڈیوں میں بالکل گودا نہ رہا ہو اس کی قربانی درست نہیں ہے اور

اتنا دبلا نہ ہو تو دبلے ہونے سے کچھ حرج نہیں اس کی قربانی درست ہے لیکن موٹے تازے جانور کی قربانی کرنا زیادہ بہتر ہے۔

ولا تجوز العجفاء التي لا تنقي فإن كانت فيها مهزولة فيها بعض الشحم جاز. (فتاوى هندية: ٦/٣٠٠)

بے سینگ جانور کی قربانی:

جس جانور کے پیدائشی سینگ نہیں یا سینگ تو تھے لیکن ٹوٹ گئے اس کی قربانی درست ہے البتہ بالکل جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں تو قربانی درست نہیں۔

ويضحي بالجماء هي التي لا قرن لها خلقة وكذا العظماء التي ذهب بعض قرنها بالكسر أو غيره فإن بلغ الكسر إلى المخ لم يجز. (رد المحتار: ٥/٣١٥)

قربانی کا جانور گم ہو گیا:

اگر قربانی کا جانور کہیں گم ہو گیا اس لیے دوسرا خریدا پھر وہ پہلا بھی مل گیا اگر امیر آدمی کو ایسا اتفاق ہو تو ایک ہی جانور کی قربانی اس پر واجب ہے۔ دونوں میں سے خواہ کسی کی قربانی کر دے لیکن اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر پہلے جانور کی قربانی کرے تب تو خیر اور اگر دوسرے جانور کی قربانی کرے تو دیکھنا چاہیے کہ وہ قیمت میں پہلے جانور سے کم تو نہیں اگر کم ہو تو جتنے دام کم ہوں اتنے دام غریبوں کو صدقہ کر دینا مستحب ہے اور اگر غریب آدمی کو ایسا اتفاق ہوا تو دونوں جانوروں کی قربانی اس پر واجب ہو گی۔ (بہشتی زیور)

ولو ضلت أو سرقت فاشترى أخرى ثم ظهرت الأولى في أيام النحر على الموسر ذبح أحدهما وعلى الفقير ذبحهما.

(شرح البداية: ٤/٤٤٦)

اکیلا جانور خریدنے کے بعد کسی کو شریک کرنا:

قربانی کے لیے کسی نے جانور خریدا اور خریدتے وقت یہ نیت کی کہ اگر کوئی اور مل گیا تو اس کو بھی شریک کر لیں گے اور شریک کر کے قربانی کریں گے اس کے بعد کچھ اور لوگ بھی شریک ہو گئے یعنی سات آدمیوں کے سات حصے ہو گئے تو یہ قربانی درست ہے، اگر جانور خریدتے وقت کسی کو شریک

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جس کا ارادہ قربانی کرنے کا ہو وہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں بال ناخن نہ کاٹے۔ باقی اس حکم کا مستحب ہونا پہلے مذکور ہو چکا ہے۔

وهذا ليس على سبيل الوجوب ، وإنما هو للاستحباب ، والحكمة منه أن تبقى كامل الأجزاء في البدن ، لتعتق من النار ، حيث ورد أن الله يعتق بهذه الأضحية ، جسد المؤمن من نار جهنم ، وأن له بكل شعرة منها حسنة ، فهذا كله على سبيل الندب والاستحباب .

روى الإمام الترمذي في سننه عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال : " من رأى هلال ذي الحجة ، وأراد أن يضحي ، فلا يأخذن من شعره ، ولا من أظفاره ."

(أخرجه الترمذي في كتاب الأضاحي : رقم : ١٥٤٣

قال الترمذي : وهذا قول بعض أهل العلم ، وإليه ذهب أحمد و إسحاق ، ورخص بعض أهل العلم في ذلك ، فقالوا : لا بأس أن يأخذ من شعره وأظفاره ، وهو قول الشافعي ، واحتج بحديث عائشة، أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يبعث بالهدي من المدينة ، فلا يجتنب شيئا مما يجتنب منه المحرم . تعني أنه يفعل كل شيء مباح ، ومنها نظافة البدن وتقليم الأظافر . (سنن ترمذي : ٤/١٠٢)

ساتویں حصہ کی نفل قربانی میں چھ ساتھی شریک ہو سکتے ہیں؟

چھ آدمیوں نے مل کر قربانی کے بڑے جانور میں اپنا اپنا واجب حصہ رکھا ساتویں حصہ میں سب نے شریک ہو کر آنحضرت ﷺ کے لیے نفل قربانی کی نیت کر لی تو یہ قربانی درست ہوگی یا نہیں اس سلسلہ میں حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

وفي الدر المختار قال : ان مات احد السبعة المشتركين في البدنة وقال الورثة اذبحوا عنه وعنكم صح عن الكل استحسانا لقصد القربة من الكل ولو ذبحوها بلا اذن الورثة لم يجزهم .

(درمختار مع شامی: ۶/۲۲۶)

روایت مذکورہ فقہیہ سے استحساناً جائز معلوم ہوتا ہے کیونکہ جب ساتواں حصہ دار فوت ہو گیا تو اس کا حصہ اس کے ورثاء کو منتقل ہو گیا اور اس حصے کے ورثاء مالک بن گئے اور انہوں نے ہی ساتویں حصے کے مالک ہونے کی حیثیت سے قربانی کی اجازت دے دی تو سب کی قربانی درست ہو گئی اسی طرح صورت مسئولہ میں چھ ساتھیوں نے ساتواں حصہ قربانی کر حضور اکرم ﷺ کے لیے کر دیا تو درست ہونا چاہیے، دوسرے علماء سے بھی دریافت کر لیا جائے۔

(فتاوی رحیمیہ قدیم: ۱۰/۹)

بچے کے عقیقہ کا شرعی حکم:

مذہب حنفی میں عقیقہ مسنون و مستحب ہے (ضروری نہیں) اسلامی طریقہ ہے حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر بدعت اور مکروہ تحریمی کا الزام لگانا غلط اور افتراء ہے، مالابد منہ میں ہے۔

"بدانکہ عقیقہ نزد امام مالک رحمہ اللہ و شافعی رحمہ اللہ و احمد رحمہ اللہ سنت مؤکدہ است و بروایتے از امام احمد رحمہ اللہ واجب و نزد امام اعظم رحمہ اللہ مستحب و قول بہ بدعت بامام افتراء است بروے آں امام"

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ عقیقہ امام مالک رحمہ اللہ و امام شافعی رحمہ اللہ نیز امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک سنت مؤکدہ ہے اور امام احمد کی ایک روایت وجوب کی بھی ہے اور امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک مستحب ہے اور ان کی طرف بدعت کا قول منسوب کرنا حضرت امام پر افتراء ہے۔

(ضمیمہ مالابد منہ: ص ۱۲۸)

بچہ پیدا ہونے کی خوشی میں شکریہ کے طور پر نیز آفات و امراض سے حفاظت کے لیے ساتویں دن (یعنی بچہ جمعہ کو پیدا ہو تو جمعرات کو اور جمعرات کو پیدا ہو تو بدھ کو) لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کے لیے ایک بکرا ذبح کیا جائے اور بچہ کا سر منڈوا کر بال کے ہم وزن چاندی خیرات یا صدقہ کر دے اور لڑکے کے سر پر زعفران لگائے یہ تمام باتیں مستحب ہیں، حدیث سے ثابت ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

عن سمرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الغلام مرتهن بعقيقته يذبح عنه يوم السابع ويسمى ويحلق رأسه.

([illegible] ۱۸۳)

ترجمہ: بچہ اپنے عقیقہ کے بدلے میں مرہون ہوتا ہے لہٰذا ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے نیز اس کا سر منڈوایا جائے۔ مرہون کے بہت سے مطلب بیان کیے گئے ہیں مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ بچہ ماں باپ کی سفارش کرے گا اور وہ ان کا شفیع ہوگا لیکن استطاعت کے باوجود عقیقہ نہیں کیا اور بچپن ہی میں بچہ کا انتقال ہوگیا تو ماں باپ کے لیے شفاعت نہیں کرے گا۔ یا جس طرح گروی رکھی ہوئی چیز کام میں نہیں آتی یہ بچہ بھی ماں باپ کے کام نہیں آئے گا۔

عقیقہ کیے بغیر بچہ ملائکہ نیز خیر و برکات سے محروم رہتا ہے۔ حتیٰ جب تک عقیقہ نہ ہو مرض سے قریب اور محافظت سے دور رہتا ہے۔

عقیقہ کیے بغیر بچہ اذیت یعنی پلیدی میل کچیل وغیرہ میں رہتا اور صفائی سے دور رہتا ہے۔ جیسے کہ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے

مع الغلام عقيقة فاهريقوا عنه دما واميطوا عنه الأذى .

(بخاری شریف : ۲/ ۸۲۲)

نیز حدیث شریف میں ہے

عن علي بن ابي طالب رضي الله عنه : قال عق رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الحسن بشاة وقال يا فاطمة احلقي راسه وتصدقي بزنة شعره فضة فوزنته فكان وزنه درهما او بعض درهم .

(ترمذی ۱/ ۱۸۳)

یعنی آنحضرت ﷺ نے ایک بکرا ذبح کر کے امام حسن رضی اللہ عنہ کا عقیقہ کیا اور حضرت فاطمہ کو حکم فرمایا کہ اس کا سر منڈواؤ اور بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کردو۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے تعمیل کی بالوں کا وزن ایک درہم یا درہم سے کچھ کم تھا۔ (حوالہ مذکورہ)

عن ابي بريدة يقول كنا في الجاهلية اذا ولد لاحدنا غلام ذبح شاة ولطخ راسه بدمها فلما جاء الله بالاسلام كنا نذبح شاة ونحلق راسه ونلطخه بزعفران . (ابو داؤد شريف : ۲/ ۳۹۲)

یعنی حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیت میں (قبل از اسلام) بچہ پیدا ہوتا تو ہم بکرا ذبح کرتے اور اس کا خون بچے کے سر پر لگاتے۔ جب حق تعالیٰ نے اسلام سے نوازا تو اب ہم ساتویں دن بکرا ذبح کرتے ہیں۔ نیز بچہ کا سر مونڈتے ہیں اور اس کے سر پر زعفران لگاتے ہیں۔ (حوالہ مذکور)

عن ام کرز رضی اللہ عنہا قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول عن الغلام شاتان وعن الجاریۃ شاۃ لا یضرکم ذکرانا کن ام اناثا۔ (ابو داؤد: ۲/۳۶)

یعنی آنحضرت ﷺ نے فرمایا عقیقہ میں لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ہو اس میں کوئی حرج نہیں ہے کہ بکرا ہو یا بکری۔

(ماخوذ از فتاوی رحیمیہ قدیم: ۲/۹۰)

عقیقہ کی مدت:

عقیقہ کا مستحب طریقہ یہ ہے کہ ساتویں روز کیا جائے جیسے کہ گزشتہ قول میں حدیث نمبر 1 میں آیا ہے کہ اگر ساتویں روز نہ ہو تو چودھویں روز یا اکیسویں روز کرے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ عقیقہ کے جانور کو ساتویں روز ذبح کیا جائے، چودھویں روز یا اکیسویں روز۔ (طبرانی)

بہت سے علماء نے ساتویں دن کی تعداد کا لحاظ کرتے بالغ ہونے تک مدت لکھی ہے اور بہت سے علماء نے کسی مدت کی قید نہیں لگائی ان کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنی پچاس برس کی عمر میں عقیقہ کیا ہے مگر یہ روایت صحیح نہیں ضعیف ہے۔ نیز یہ ایک مجبوری کی صورت ہوگی، یہاں پر تو بلا عذر مہینوں بلکہ برسوں تک ٹالتے رہتے ہیں اور عمر بھر کسی کی شادی ختنہ وغیرہ رواج کی راہ دیکھتے ہیں اور ساتویں دن کا لحاظ بھی نہیں ہوتا اس کے خلاف مستحب ہونے میں کس کو انکار ہو سکتا ہے؟ عقیقہ خود مستحب ہے اور اس کو مستحب طریقہ سے ادا کرنا چاہیے لہٰذا ساتویں دن عقیقہ کرنا بہتر ہے نہ ہو سکے تو چودھویں یا اکیسویں روز کرے بغیر کسی مجبوری کے اس سے زیادہ تاخیر نہ کرے۔

(ماخوذ از فتاوی رحیمیہ قدیم: ۲/۱۲۲)

عقیقہ کی دعا:

عقیقہ کے جانور کو ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھے:

اللهم هذه عقيقة ابني (اسم ولد) دمها بدمه وعظمها بعظمه وجلدها بجلده وشعرها بشعره اللهم اجعلها فداء لابني (اسم ولد)

نوٹ: لڑکی کا عقیقہ ہو تو ضمیر کو بجائے مذکر کے مونث بنادیں۔ جیسے: اللهم هذه عقيقة بنتي (لڑکی کا نام) دمها بدمها وعظمها بعظمها وجلدها بجلدها وشعرها بشعرها اللهم اجعلها فداء لبنتي (لڑکی کا نام) والد کے علاوہ دوسرا کوئی آدمی ذبح کرے تو ابنی یا بنتی کی جگہ بچہ اور اس کے باپ کا نام لے۔ دعا مذکورہ کے ساتھ انی وجہت سے وما انا من المسلمین تک پڑھے اور اللهم منك ولك پڑھ کر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے۔

عقیقہ کی نیت سے خریدا ہوا جانور:

جو جانور عقیقہ کی نیت سے خریدا گیا ہے اس کا عقیقہ ہی کرنا ضروری ہے یا اس کو کسی اور کام میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عقیقہ کی نیت سے جو جانور خریدا گیا ہے اس کا ذبح کرنا واجب نہیں، جس کام میں چاہیں لے سکتے ہیں۔

لأن الشراء بنية العقيقة وإن كان بمعنى النذر ولكن يشترط لانعقاد النذر أن يكون المنذور عبادة مقصودة.

قال في الدر: وكان من جنسه واجب أي فرض كما سيصرح به تبعاً للبحر والدرر، وهو عبادة مقصودة اهـ.

قال الشامي: الضمير راجع للنذر بمعنى المنذور إلى أن قال فهذا صريح في أن الشرط كون المنذور نفسه عبادة مقصودة لا ما كان من جنسه اهـ.

(۱۰۳/۳)

وفي تنقيح الفتاوى الحامدية: ثم إذا أراد أن يعق عن الولد فإنه يذبح عن الغلام شاتين وعن الجارية شاة لأنه إنما شرع للسرور بالمولود وهو بالغلام أكثر اهـ. (۲۱۲/۲) وهذا يدل على كونها عبادة غير مقصودة فافهم.

(ماخوذ إمداد الأحكام)

عن العهدة بعد . وفي قوله ان ما كان به جهة العبادة يصح النذر به لما مر من انه يلزم الوفاء بالنذر من حيث هو قربة لا بكل وصف التزمه به فيصح التزام الصوم من حيث هو صوم مع الغاء كونه في يوم العيد الخ . (ردالمحتار : ٦٩/٣)

تحقیق مذکور سے ثابت ہوا کہ حرام لغیرہ کی نذر منعقد ہوجاتی ہے مگر اس کا ایفاء بطریق مباح واجب ہے۔

جبکہ قرآن خوانی خواہ بطریق مباح ہی کیوں نہ ہو اس کی نذر منعقد ہی نہیں ہوتی، اس لیے کہ اس کی جنس سے کوئی فرد فرض یا واجب نہیں، البتہ خود قراءۃ قرآن کی جنس سے نماز میں تلاوت فرض ہے مگر قراءۃ قرآن عبادۃ مقصودہ نہیں۔

قال في العلائية ولو نذر التسبيحات دبر الصلوة لم يلزمه . وفي الشامية وكذا لو نذر قراءة القرآن وعلله القهستاني في باب الاعتكاف بانها للصلوة وفي الخانية ولو قال علي الطواف بالبيت والسعي بين الصفا والمروة او على ان اقرأ القرآن ان فعلت كذا لا يلزمه شيء اهـ قلت وهو مشكل فان القراءة عبادة مقصودة ومن جنسها واجب وكذا الطواف فانه عبادة مقصودة ايضا ثم رأيت في لباب المناسك قال في باب انواع الاطوفة السادس طواف النذر وهو واجب ولا يختص بوقت فهذا صريح في صحة النذر به .

(ردالمحتار : ٧٠/٣)

نماز کے بعد تسبیحات کی نذر کا حکم:

اگر کوئی شخص نماز کے بعد تسبیحات کی نذر مانے تو اس نذر کو پورا کرنا لازم ہے یا نہیں اس میں تفصیل ہے۔ احسن الفتاوی سے ایک سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے جس سے تفصیل واضح ہو جائے گی۔

سوال: ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ نماز کے بعد جو تسبیحات پڑھی جاتی ہیں اگر کسی نے یہ تسبیحات پڑھنے کی نذر کی تو اس کا پورا کرنا واجب نہیں اور اگر درود شریف کی نذر کی تو واجب ہو

یہ شیرینی تقسیم کرنا واجب ہے کیونکہ الفاظ نذر میں بچوں لیا ہے اغنیاء کی تخصیص نہیں، اس لیے یہ اغنیاء وفقراء سب کو شامل ہے اور تصدق علی الفقیر عبادت مقصودہ ہے لہٰذا یہ نذر صحیح ہے اور واجب الادا ہے اور الفاظ نذر میں نہ تو شیرینی کی کوئی مقدار یا قیمت متعین کی گئی ہے اور نہ ہی بچوں کی تعداد بیان کی گئی ہے، اس صورت میں اطعام عشرۃ مساکین واجب ہے یعنی بقدر صدقۃ الفطر یہ دس گنا زیادہ گیہوں یا اس کی قیمت کے برابر نقدی یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا واجب ہے خواہ ایک مسکین کو دے یا متعدد کو ہر صورت نذر ادا ہو جائے گی۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: قال علي نذر ولم يزد عليه ولا نية له فعليه كفارة يمين ولو نوى صياما بلا عدد لزمه ثلاثة أيام ولو صدقة فإطعام عشرة مساكين كالفطرة. وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله لزمه ثلاثة أيام) لأن إيجاب العبد معتبر بإيجاب الله تعالى وأدنى ذلك في الصيام ثلاثة أيام في كفارة اليمين بحر عن شرح المجمع (قوله ولو صدقة) أي بلا عدد (قوله كالفطرة) أي لكل مسكين نصف صاع بر وكذا لو قال لله علي إطعام مسكين لزمه نصف صاع بر استحسانا وإن قال لله علي أن أطعم المساكين على عشرة عند أبي حنيفة رحمه الله تعالى فتح.

(رد المحتار: ٣/٧٣)

وفي شرح التنوير نذر لفقراء مكة جاز الصرف لفقراء غيرها لما تقرر في كتاب الصوم أن النذر غير المعلق لا يختص بشيء، نذر أن يتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغيره جاز إن ساوى العشرة كتصدقه بثمنه. وفي الشامية تحت (قوله لما تقرر في كتاب الصوم) فمنه وكما لا يتعين الفقير لا يتعين عدده ففي الخانية إن زوجت بنتي فألف درهم من مالي صدقة لكل مسكين درهم فزوج ودفع الألف إلى مسكين جملة جاز. (رد المحتار: ٣/٧٢)

(ماخوذ از أحسن الفتاوى: ٥/٤٨٣)

نذر معلق میں صیغۂ التزام ضروری نہیں:

نذر معلق میں صیغۂ التزام ضروری ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں احسن الفتاوی ۵/۴۸۹ سے ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: زید کی بھینس کا پاؤں دلدل میں پھنس گیا، نکل نہ سکا، زید نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے میری بھینس کا پاؤں صحیح سلامت نکل جائے تو دس روپے اللہ واسطے دوں گا، صرف اللہ واسطے کا لفظ کہا، صدقہ یا نذر وغیرہ کچھ نہیں کہا تو یہ نذر کے حکم میں ہے یا نفلی صدقات کے حکم میں ہوگا؟

بینوا توجروا

جواب: ایسے الفاظ عرفاً نذر کے لئے مستعمل ہیں، اس لئے یہ نذر لازم اور واجب التصدق ہے۔

فإن الأيمان مبنية على العرف، قال في العلائية فإن الأيمان مبنية على العرف فما تعورف الحلف به فيمين وما لا فلا.

(رد المحتار: ۳/۵۲)

والنذر في حكم اليمين كما في الشامية تحت (قوله ومن نذر نذرا مطلقا) وإنما ذكروا النذر في الأيمان لما يأتي من أنه لو قال علي نذر ولا نية له لزمه كفارة ومر في آخر كتاب الصيام أنه لو نذر صوما فإن لم ينو شيئا أو نوى النذر فقط أو نوى النذر وأن لا يكون يمينا كان نذرا فقط وإن نوى اليمين وأن لا يكون نذرا كان يمينا وعليه كفارة إن أفطر وإن نواهما أو نوى اليمين كان نذرا ويمينا حتى لو أفطر قضى وكفر ومر هناك الكلام فيه. (رد المحتار: ۳/۶۸)

وأيضا فيها (قوله لأن الذبح ليس من جنسه فرض الخ) هذا التعليل لصاحب البحر وينافيه ما في الخانية قال إن برئت من مرضي هذا ذبحت شاة فبرئ لا يلزمه شيء إلا أن يقول فلله علي أن أذبح شاة اهـ. وهي عبارة متن الدرر وعللها في شرحه بقوله لأن اللزوم لا يكون إلا بالنذر والدال عليه الثاني لا الأول اهـ فأفاد أن عدم الصحة لكون الصيغة المذكورة لا تدل على النذر أي لأن قوله ذبحت شاة

گئی اگر چہ اس تعین کی نیت اور تصریح نہ کرے اسی طرح اگر یہ نذر کی کہ اگر فلاں کام ہو جائے تو یہ گائے ذبح کر کے اللہ کے بندوں کو کھلاؤں گا تو یہ نذر بھی صحیح ہے اور منعقد ہے کیونکہ یہ نذر صراحۃً گوشت کے صدقہ کی ہوئی اور صراحۃً میں نیت شرط نہیں البتہ محض ان لفظوں سے کہ یہ کام ہو گیا تو گائے ذبح کروں گا نذر کا انعقاد اس وقت تک احقر کے خیال میں نہیں ہوگا جب تک ان الفاظ سے اس کی نیت گوشت صدقہ کرنے کی نہ ہو۔ (ماخوذ از امداد المفتین، صفحہ ۲۱۷)

نذر ماننا ناپسندیدہ عمل ہے:

انسان جب کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے یا کسی مشکل میں پھنس جاتا ہے تو نذر مانتا ہے کہ یہ تکلیف یا بیماری دور ہو جائے یا یہ مشکل حل ہو جائے تو فلاں چیز صدقہ کروں گا اب اگر اس کو صحت حاصل ہو جائے تو اس پر نذر پوری کرنا لازم ہو جاتا ہے۔

لقوله تعالى: ﴿يوفون بالنذر ويخافون يوما كان شره مستطيرا﴾ (سورة الدهر - ٧)

جنتی پورا کرتے ہیں منت کو اور ڈرتے ہیں اس دن سے کہ اس کی برائی پھیل پڑے گی۔ البتہ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے بہتر یہ ہے کہ ایسے موقع پر صدقہ کو نذر کے ذریعے معلق کرنے کی بجائے نقد صدقہ خیرات کیا جائے تو یا استغفار کا اہتمام کیا جائے اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے نذر ماننا شرعاً ناپسندیدہ عمل ہے دفع بلا میں اس نذر کا کوئی خاص دخل نہیں۔

لما ورد في الصحيحين عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال: لا تنذروا فإن النذر لا يقدم شيئا ولا يؤخره وإن النذر لا يأتي بخير وإنما يستخرج به من البخيل. (اخرجه البخاري: ١٥٧/٤، مسلم رقم - ١٦٤ باب النهي عن النذر وانه لا يرد شيئا)

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ نذر نہ مانا کرو کیونکہ نذر کی وجہ سے جو چیز تقدیر میں مؤخر ہے مقدم نہ ہوگی اور جو مقدم ہے وہ مؤخر نہ ہوگی اور نذر سے کوئی خیر حاصل نہیں ہوتی اس کے ذریعہ تو فقط بخیل سے مال نکالا جاتا ہے۔ (بخاری)

ولی کے نام بکرا ذبح کرنے کی نذر ماننا:

غیر اللہ کے نام پر نذر ماننا حرام ہے اس منت کا استعمال کرنا اس سے کسی قسم کا فائدہ بھی

حرام ہے، اس کے بارے میں ایک اہم سوال وجواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ایک شخص نے اس طرح نذر مانی کہ "اے بزرگ میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں آپ کے نام پر بکرا ذبح کروں گا، آپ کے مزار پر ماتھا ٹیکوں گا، پھر اس کا کام ہو گیا تو اس نے مزار پر بکرا ذبح کیا اور خود کئی گھنٹے ماتھا ٹیکا، اس کی بیوی اس کے ساتھ مزار پر نہیں جا رہی تھی لیکن اس کو بھی زبردستی لے گیا، اب سوال یہ ہے کہ ایسا آدمی مسلمان رہا یا نہیں؟ اس کی بیوی سے اس کا نکاح ٹوٹ گیا یا باقی ہے؟ اگر نکاح نہیں رہا تو کیا دوبارہ نکاح کرنا ہوگا؟ اگر نکاح نہیں ٹوٹا تو ایسے آدمی کا شریعت میں کیا حکم ہے؟ کیا اس طرح کی نذر اور منت ماننا، مزار پر بکرا ذبح کرنا، خود کو الٹا لٹکانا جائز ہے؟ بینوا توجروا۔

جواب: صورت مسئولہ میں نذر صحیح نہیں کہ یہ امور معصیت ہیں اور معصیت کی نذر منعقد نہیں ہوتی، اس نذر کا پورا کرنا جائز نہیں، درمختار میں ہے:

وان لا يكون معصية لذاته . (در مختار: ۹۲/۳)

یعنی نذر منعقد ہونے کی شرط یہ ہے کہ گناہ کی نذر نہ ہو۔

شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سوال چہل ونہم: نذر کردن بایں طور کہ اگر حاجت من بر آید بدرگاہ فلاں ولی ایں قدر از نقد وجنس طعام بخته بر سانم یا نام ماہ وشاں جنگل کنانم چہ حکم دارد، جائز یا گناہ کبیرہ می گردد؟

جواب: نذر کردن بایں طور کہ اگر حاجت من خدا بر آرد بدرگاہ فلاں ولی ایں قدر از نقد وجنس طعام بخته بر سانم درست نیست زیرا کہ در نذر کردن خدائے تعالیٰ چند شروط است اگر ہمہ متحقق شوند نذر لازم می شود والا لازم نیست ... الی قولہ چہارم آنکہ منذور فی نفسہ گناہ نباشد اگر گناہ خواہد شد اصلاً در نذر کردن بروے لازم نخواہد شد چنانچہ در فتاوی عالمگیری مرقوم است الاصل ان النذر لا یصح الا بشروط ... الی قولہ والرابع ان لا يكون المنذور معصية باعتبار نفسه انتهى

چوں از ایں عبارت معلوم شد کہ در نذر کردن چند شروط ضرور است، پس در سوال کہ مرقوم است کہ بدرگاہ فلاں ولی ایں قدر طعام بخته بر سانم رسانیدن طعام جائی عبادت نیست پس نذر صحیح نخواہد شد۔ الخ۔ (مائۃ مسائل ص: ۸۱ تا ۸۴ فارسی)

ترجمہ: سوال چہل ونہم: اس طرح منت ماننا کہ اگر خدا میری حاجت بر لائیں تو فلاں ولی کے

مزار پر اس قدر نقدی اور کھانا پہنچاؤں گا یا ان کے نام کی سبیل لگاؤں کیسا ہے؟ جائز ہے یا گناہ
ہے؟ اگر گناہ ہے تو کس قسم کا گناہ؟

جواب: اس طرح منت ماننا کہ اگر خداوند تعالیٰ میری حاجت بر لائیں تو فلاں ولی کے مزار
پر اس قدر نقد و جنس اور پکا ہوا کھانا پہنچاؤں جائز نہیں اس لیے کہ خداوند تعالیٰ کی منت ماننے میں چند
شرطیں ہیں اگر تمام شرطیں پائی جائیں گی تو نذر لازم ہوتی ہے ورنہ نہیں۔ الیٰ قولہ چوتھی شرط
یہ ہے کہ جو چیز منت میں مانی جائے وہ فی نفسہ گناہ نہ ہو اگر وہ فعل گناہ ہو تو منت کا پورا کرنا اس پر
کبھی بھی لازم نہ ہوگا چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔ قاعدہ یہ ہے کہ نذر صحیح نہیں ہوتی ہے مگر چند
شرطوں کے پائے جانے پر۔۔۔ الیٰ قولہ ۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ منذور فی نفسہ گناہ نہ ہو۔ انتہی۔
جب اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ نذر ماننے میں چند شرطیں ضروری ہیں تو سوال میں جو صورت
مرقوم ہے کہ فلاں ولی کے مزار پر اس قدر کھانا پہنچاؤں گا، مزار پر کھانا پہنچانا عبادت نہیں ہے اس
لیے اس صورت میں نذر صحیح نہ ہوگی اگر اس طرح کہا جائے کہ اگر خداوند تعالیٰ میری حاجت بر
لائیں تو فلاں مزار کے فقیروں اور مجاوروں کو کھانا کھلاؤں گا تو نذر صحیح ہو جائے گی اور اس کی وفا
لازم ہوگی لیکن فقراء مزار و مجاوروں کی تخصیص نذر کے پورا کرنے میں ضروری نہیں جس فقیر کو بھی
دے دے گا نذر پوری ہو جائے گی اور اگر اس طرح کہے کہ اگر میری حاجت بر آئے تو فلاں ولی
کے لیے یا فلاں ولی کے نام پر اس قدر نقدی وغیرہ دوں گا تو ایسی منت ماننا بالاجماع باطل ہے اور
وہ کھانا حرام ہے چنانچہ معتبر کتابوں کے حوالے سے لکھا جائے گا اور اسی قسم سے ہے اگر یہ کہے کہ یہ
چیز اس ولی اور سید کے نام کی ہے (تو یہ بھی حرام ہے) عالمگیری میں ہے وہ نذریں جو اکثر عوام
مانتے ہیں کہ صلحاء کی قبر پر جاتے ہیں اور غلاف اٹھا کر منت یہ کہتے ہیں کہ میں اس قدر مال اب قبر پر
چڑھاؤں گا اے میرے سید اگر پوری فرمائیں میری حاجت کو تو یہ بالاجماع باطل ہے ۔۔ الیٰ قولہ
۔۔ اور جب تم نے یہ سمجھ لیا تو یہ بھی سمجھ لو کہ وہ مال اور اس کے مثل اور چیزیں جو اولیاء کے مزار پر
ثواب کے لیے لے جایا کرتے ہیں وہ بالاجماع حرام ہیں جب تک کہ زندہ فقیروں پر خرچ کرنے
کا ارادہ نہ کیا جائے اور اس پر سب متفق ہیں اور اس میں بہت سے لوگ مبتلا ہیں۔ (عالمگیری) بحر
الرائق میں ہے وہ نذریں جو اکثر عوام مانتے ہیں جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ کسی غائب آدمی کے لیے یا
کسی بیمار کے لیے یا خود اس کو کوئی حاجت درپیش ہو تو وہ صلحاء کے مزار پر جاتا ہے اور مزار کے

سوال: بعد سلام مسنون ایک مسئلہ دریافت طلب ہے وہ یہ ہے کہ ایک شخص نے نذر مانی کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں اپنے دو بکروں میں سے ایک صدقہ کروں گا اور ابھی کام ہوا نہیں ہے لیکن امید ہے کہ انشاء اللہ وہ کام ہو جائے تو کیا ابھی اس بکرے کی قربانی کر سکتے ہیں؟ اس کا خیال یہ ہے کہ بکرے کی قیمت لگا کر قیمت محفوظ رکھ لے اور جب کام پورا ہو جائے تو اس قیمت کا بکرا خرید کر صدقہ کر دے گا اور جو بکرا موجود ہے اس کی قربانی کر ڈالے شرعاً اس کی اجازت ہوگی؟

بینوا توجروا

جواب: صورت مسئولہ میں بہتر یہ ہے کہ دو بکروں میں سے جو اچھا ہو اسے رکھ لیا جائے، دوسرے کو فروخت کر دیا جائے یا قربانی کر دی جائے اور یہ بھی درست ہے کہ دونوں کو فروخت کر دیا جائے یا قربانی کر دی جائے اور جب کام پورا ہو جائے تو ایک بکرے کی قیمت صدقہ کر دی جائے یا اس کا بکرا خرید کر صدقہ کر دیا جائے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ اس قسم کے سوال کے جواب میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے ارقام فرمایا ہے: یہ بھی اختیار ہے خواہ ذبح کر کے تصدق کر دے یا بکری کی قیمت کا تصدق کر دے اور فروخت کر دینے کے بعد بھی دونوں اختیار ہیں کہ خواہ دوسری بکری خرید کر ذبح و صدقہ کر دے یا وہ قیمت صدقہ کر دے۔

(امداد الفتاویٰ: ۴۹۶/۲)

روزوں کی نذر کی صورت میں فدیہ ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

سوال: زید نے نذر مانی کہ اگر میرے بھائی کی طبیعت ٹھیک ہو گئی تو میں تیس روزے رکھوں گا، زید کے بھائی کی طبیعت کچھ ٹھیک ہو گئی ہے اور اب وہ اپنی نذر پوری کرنا چاہتا ہے لیکن زید تاجر ہے جس کو روزہ رکھنا مشکل ہوگا اور پابندی نہ ہو سکے گی تو وہ ان روزوں کا فدیہ دے سکتا ہے یا نہیں؟ یا روزہ ہی رکھنا ضروری ہے؟ بینوا توجروا

جواب: صورت مسئولہ میں زید کے بھائی کی طبیعت ٹھیک ہو جانے پر زید پر ایک ماہ کے روزے رکھنا ضروری ہیں، مسلسل رکھنا ضروری نہیں متفرق بھی رکھ سکتا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

وقد روي عن محمد قال ان علق النذر بشرط يريد كونه كقوله ان شفى الله مريضي او رد غائبي لا يخرج عنه بالكفارة كذا في المبسوط ويجزيه عن ما سمى كذا في فتاوى قاضي خان.

لا نذر الا فیما یبتغی به وجه الله۔

نذر منعقد نہ ہوگی مگر ایسی چیز کی جس سے اللہ کی رضا مقصود ہو۔

اور بحر الرائق میں ہے۔

النذر الذي يقع للأموات من اكثر العوام وما يوخذ من الشمع والزيت ونحوها الى ضرائح الاولياء الكرام تقربا اليهم فهو بالاجماع حرام الى قوله لانه حرام بل سحت ولا يجوز لخادم الشيخ اخذه الا ان يكون فقيرا الخ۔

اور اگر نذر اللہ تعالی کے نام کی اور اس کی رضا تقرب کے لیے ہو صرف اتنا کیا جائے کہ ایصال ثواب کسی بزرگ کو کر دیا جائے تو یہ شرائط ذیل جائز ہے۔

۱۔ کوئی تاریخ معینہ کے لیے مقرر نہ کرے۔

۲۔ جو کچھ کھانا ہو اس میں فقراء کو کھلائے اغنیاء اور صاحب نصاب لوگوں کو اس میں سے کچھ نہ کھلائے۔

۳۔ اس کو لازم اور واجب کی طرح جان کر نہ کرے اور ان لوگوں پر کوئی طعن نہ کرے جو ایسا نہیں کرتے۔

۴۔ قرض لے کر اپنی وسعت سے زیادہ خرچ نہ کرے۔

۵۔ اور بھی کوئی خلاف شرع کام اس کے ساتھ نہ ملائے۔ اس صورت میں یہ نذر جائز بلکہ ثواب ہوگی اور اس کا کھانا بھی فقراء کے لیے جائز ہوگا۔ (ماخوذ از امداد المفتین ۷۲۸)

استطاعت سے زائد نذر ماننے کی ایک صورت کا حکم:

کسی شخص نے نذر مانی کہ اس چیز کی قیمت حج پر صرف کروں گا اور اس کی استطاعت میں حج کی رقم نہیں اور قیمت بھی حج کے مصارف سے بہت کم ہے، کیا اس پر اس نذر سے حج فرض ہو جائے گا یا اگر فرض نہ ہو تو وہ مقدار قیمت فی سبیل اللہ دینی پڑے گی یا نہیں؟ اس بارے میں حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

قال في البحر الرائق عن الخلاصة لو الترم بالنذر اكثر مما يملكه هو المختار كما اذا قال ان فعلت كذا فالف درهم من مالي صدقة

فعليه وهو لا يمكن الا بالصدقة لا بعينه لا بالإراقة الخ

(البحر: ٣/٤٠٠، ومثله في الدر المختار والشامي: ٣/٧٣)

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں اس شخص پر حج تو واجب نہیں لیکن اس چیز کی جو قیمت حاصل ہوا اس کو حج کے مصارف میں خرچ کرنا واجب ہوگا جس کی صورت یہ ہے کہ یا تو یہ رقم سفر حج میں کسی شخص کو دے دی جائے وہاں کے کوئی شخص اس رقم سے حج کر لے اور یا کسی ایسے شخص کو دے دی جائے جو حج کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کی رقم میں کمی ہے۔

عمرہ کی نذر صحیح ہے:

اگر کوئی شخص عمرہ ادا کرنے کی نذر مانے تو یہ نذر منعقد ہوگی اور اس کا ایفاء واجب ہوگا۔

كذا في الهندية عن المبسوط: ولو جعل عليه حجة او عمرة او صوما او صلوة او صدقة او ما اشبه ذلك مما هو طاعة وان فعل كذا ففعل لزمه ذلك الذي جعله على نفسه اهـ. (عالمگیریة: ٢/٦٥)

زبان سے کہے بغیر نذر نہیں ہوتی:

انعقاد نذر کے لیے زبان سے نذر کے الفاظ کہنا شرط ہے صرف دل میں نیت کرنے سے نذر منعقد نہیں ہوتی۔

في البحر عن التتارخانية وشرطه ان يتلفظ بلسانه، وفي الشامية فلا يكفي لايجابه النية صحح عن شمس الائمة. ردالمحتار: ٢/١٤١

وفي صوم الشامية تحت (قوله ولو نذر الخ) قال في المستصفى والنذر عمل اللسان. (ردالمحتار: ٢/١٣٤)

باب اليمين

قسم کا بیان

قسم کسی بات کو پختہ کرنے کے یقین کرانے کے لیے کھائی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے نام میں کسی چیز کو لے کر قسم کھانے سے بات پختہ ہوتی ہے اور مقابل کو بات پر یقین آجاتا ہے لیکن بلاضرورت بات بات پر قسم کھانا بری بات ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی

انتہائی بے حرمتی ہے اس لیے جہاں تک ہو سکے سچی بات پر بھی قسم نہ کھانا چاہیے۔

قال في المحيط الافضل في اليمين بالله تعالى تقليلها لأن في تكثير اليمين المعاقدة على المستقبل تعريض اسم الله تعالى للهتك.

(طحطاوي على الدر: ٢/ ٣٢٤)

غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں:

اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی قسم مثلاً باپ کی قسم، بیٹے کی قسم، اپنے پیروں کی قسم وغیرہ اس سے قسم منعقد نہیں ہوتی لہٰذا اس طرح قسم کھا کر اس کے خلاف کرنے سے کفارہ لازم نہیں ہوگا۔

سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم عمر رضي الله عنه وهو يحلف بأبيه وكان في سفر، فقال له صلى الله عليه وسلم: إن الله عزوجل ينهاكم أن تحلفوا بآبائكم، فمن كان حالفا فليحلف بالله أو ليصمت. أي ليسكت، فقال عمر: فوالله ما حلفت بها منذ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عنها ذاكرا ولا آثرا.

(أخرجه مسلم رقم ١٦٤٦ والترمذي رقم ١٥٣٣)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے سنا کہ دوران سفر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے باپ کی قسم کھا رہے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے آباء کی قسم کھانے سے منع فرمایا ہے، لہٰذا جس کو قسم کھانی ہو وہ اللہ کی قسم کھائے، یا خاموش رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، اللہ کی قسم جب سے غیر اللہ کی قسم کا ممنوع ہونا میں نے زبان نبوت سے سنا اس کے بعد کبھی غیر اللہ کی قسم نہیں کھائی، نہ قصداً نہ کسی سے حکایۃً۔

کارِ خیر پر قسم کا حکم:

اگر کسی کارِ خیر کو آئندہ مستقبل میں انجام دینے کے متعلق قسم کھائے تو اب اس کو پورا کرنا ہی مناسب ہے، اسی طرح کسی مباح کام کے متعلق قسم کھائے تب بھی اس کام کو پورا کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ قسم کا لحاظ رہے۔

گناہ پر قسم کھانے کا حکم:

اگر کسی نے گناہ کرنے کی قسم کھائی مثلاً سینما دیکھے گا یا ماں باپ سے بات نہیں کرے گا یا نعوذ

بالقصد نہیں پڑھے گا تو اس پر واجب ہے کہ قسم توڑ کر کفارہ ادا کرے۔

لقوله صلی الله علیه وسلم: من حلف علی یمین فرأی غیرها خیرا منها فلیأت الذی هو خیر ولیکفر عن یمینه

(الاختیار للموصلی ٤/٤٨ والحدیث أخرجه مسلم رقم ١٦٥٠)

جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی بات پر قسم کھائے پھر اس کے خلاف میں بہتری نظر آئے تو قسم توڑ دے پھر کفارہ ادا کرے۔

وفی التنویر: ومن حلف علی معصیة کعدم الکلام مع أبویه أو قتل فلان الیوم وجب الحنث والتکفیر (ردالمحتار ٣/٧٤٤)

حرام چیز کو حرام کرنا بھی قسم ہے:

کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرنا قسم ہے اسی طرح پہلے سے حرام چیز کو حرام کرنا بھی قسم ہے، جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ اب اگر کوئی شخص یوں قسم کھائے کہ مجھ پر سینما دیکھنا حرام ہے، سینما دیکھنا تو پہلے سے حرام تھا اگر وہ اس قسم کے بعد دوبارہ سینما دیکھے تو سخت گناہ کے علاوہ قسم کا کفارہ بھی لازم ہوگا۔

قال فی التنویر: ومن حرم شیئا ثم فعله کفّر. وفی الشرح: ولو حراما، أو ملک غیره، کقوله الخمر أو مال فلان علی حرام فیمین مالم یرد الاخبار ما فیه. (ردالمحتار ٣/٤٩٦)

وفیه ایضا: لما تقرر أن تحریم الحلال یمین.

(ردالمحتار ٣/٥٠٦)

جھوٹی قسم کا حکم:

یہ بات ہو چکی ہے اس پر جھوٹی قسم کھانا بڑا گناہ ہے جیسے کسی نے نماز نہیں پڑھی اور جب کسی نے پوچھا تو کہہ دیا کہ خدا کی قسم میں نماز پڑھ چکا ہوں، یا کھانا کھا چکا تھا جب کسی نے پوچھا تو کہہ دیا خدا کی قسم میں نے ایک لقمہ بھی نہیں چکھا تو یہ بہت بڑا گناہ ہے اس کا کوئی کفارہ تو نہیں لیکن اس پر لازم ہے کہ خوب توبہ استغفار کر کے اپنا گناہ اللہ تعالیٰ سے معاف کروائے۔

فالغموس هو الحلف علی أمر ماض یتعمد الکذب فیه فهذه

قال العلامة ابن البزاز الكردري رحمه الله: امتنع عن الأكل حتى مات أو عن التداوي حتى تلف مرضاً لا لأن عدم الهلاك بالأكل مقطوع والشفاء بالمعالجة مظنون.

(الفتاوى البزازية على هامش الهندية: ٣٦٧/٦ نوع في التداوي، كتاب الكراهية ومثله في الاختيار على تعليل المختار ١٧٤/٤ كتاب الكراهية)

وفي الهندية قال: أما الأكل فعلى مراتب فرض وهو ما يندفع به الهلاك فإن ترك الأكل والشرب حتى هلك فقد عصى ... ولا يجوز الرياضة بتقليل الأكل حتى يضعف عن أداء الفرائض ... ولو جاع ولم يأكل مع قدرته حتى مات يأثم.

(عالمگیریہ ١٠٢/٤ کتاب الكراهية)

حمل گرانے کا حکم:

ضبطِ تولید اور اسقاطِ حمل کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: ضبطِ تولید اور اسقاطِ حمل دونوں کی مجموعی طور پر چار صورتیں ہیں:

(۱) قطعِ نسل: یعنی کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس کی وجہ سے دائمی طور پر قوتِ تولید ختم ہو جائے۔

(۲) منعِ حمل: یعنی ایسی صورت اختیار کرنا کہ قوتِ تولید باقی رہتے ہوئے حمل قرار نہ پائے۔

(۳) حمل ٹھہر جانے کے بعد چار ماہ پورے ہونے سے پہلے کسی ذریعہ سے اس کو ساقط کرنا۔

(۴) چار ماہ گزرنے کے بعد حمل گرانا۔

احکام: پہلی صورت بالاتفاق حرام ہے، خواہ اس میں کتنے ہی فوائد نظر آئیں اور خواہ اس کے دواعی بظاہر کتنے ہی قوی ہوں۔

دوسری صورت کے حکم میں تفصیل یہ ہے کہ بلا عذر یہ صورت اختیار کرنا مکروہ تحریمی ہے اور درج ذیل اعذار کی صورت میں بلا کراہت جائز ہے۔

(۱) عورت اتنی کمزور ہے کہ بار حمل کا تحمل نہیں کر سکتی۔

(۲) عورت اپنے وطن سے دور کسی ایسے مقام پر ہے جہاں اس کا مستقل قیام و قرار کا ارادہ نہیں اور سفر کسی ایسے ذریعہ سے ہے کہ اس میں مہینوں لگ جاتے ہوں۔

(۳) زوجین کے باہمی تعلقات ناموافق ہونے کی وجہ سے علیحدگی کا قصد ہے۔

(۴) پہلے سے موجود بچے کی صحت خراب ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

(۵) یہ خطرہ ہو کہ فساد زمان کی وجہ سے بچے بداخلاق اور والدین کی رسوائی کا سبب ہوگا۔

اگر کوئی ایسی غرض کے تحت عمل روکے جو اسلامی اصول کے خلاف ہے تو اس کا عمل بالکل ناجائز ہوگا، مثلاً کثرت اولاد سے تنگی رزق کا خیال ہو یا یہ وہم ہو کہ بچی پیدا ہوگی تو عار ہوگی۔

تیسری صورت بلا عذر تو ناجائز اور حرام ہے البتہ بعض اعذار کی وجہ سے اس کی گنجائش ہے، مثلاً:

(۱) حمل کی وجہ سے عورت کا دودھ خشک ہو گیا اور دوسرے ذرائع سے پہلے بچے کی پرورش کا انتظام ناممکن و متعذر ہو۔

(۲) کوئی دیندار حاذق طبیب عورت کا معائنہ کر کے یہ کہہ دے کہ اگر حمل باقی رہا تو عورت کی جان یا کوئی عضو ضائع ہونے کا شدید خطرہ ہے۔

چوتھی صورت مطلقاً حرام ہے، کسی بھی عذر سے اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

(احسن الفتاوی: ۸/۳۴۷)

قال الشامي رحمه الله: يجوز لها سد فم رحمها كما تفعله النساء مخالفا لما بحثه في البحر من انه ينبغي ان يكون حراما بغير اذن الزوج قياسا على عزله بغير اذنها. لكن في البزازية ان له منع امرأته عن العزل. نعم النظر الى فساد الزمان يفيد الجواز من الجانبين فما في البحر مبني على ما هو اصل المذهب وما في النهر على ما قاله المشايخ. (شامية مصري، باب نكاح الرقيق: ۲/۳۹)

اولاد کی کثرت نعمت الٰہیہ ہے:

بعض لوگ شادی کے بعد اس فکر میں لگے رہتے ہیں کہ اولاد کم سے کم ہو بعض لوگ تو اس لیے

اولاد سے بیزار رہتے ہیں کہ وہ ان کی عیاشی میں مخل ہوں گی اور بعض کو یہ خیال ہوتا ہے کہ نعوذ باللہ اولاد پیدا ہونے کے بعد خرچ کا بندوبست کیسے ہوگا؟ بعض لوگ غیر مسلموں کے اس پرفریب نعرے میں آجاتے ہیں کہ "بچے دو ہی اچھے" حالانکہ یہ سب باتیں شریعت مطہرہ کے خلاف ہیں، اس کے برخلاف جناب نبی کریم ﷺ نے اولاد کی کثرت کو اللہ تعالیٰ کی نعمت بتایا ہے۔

تزوجوا الودود الولود فإني مكاثر بكم الأمم. (مشكوٰة: ۲/۲۷۶)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایسی عورتوں سے شادی کرو جو زیادہ محبت کرنے والی ہوں اور زیادہ بچے جننے والی ہوں، کیونکہ میں (قیامت کے روز) اپنی امت کی کثرت کے ذریعہ اور امتوں پر فخر کروں گا۔

لہٰذا اولاد کو عذاب الٰہی سمجھنے یا تنگیٔ رزق کا ذریعہ سمجھنے یا بیماری وغیرہ کا ذریعہ سمجھنے کی بجائے نعمت الٰہیہ سمجھتے ہوئے اس کی پیدائش کے اسباب بند نہ کیا جائے بلکہ فطری طریقہ پر جتنی اولاد ہو جائے اللہ کا شکر بجالایا کریں۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کا حکم:

شریعت اسلامیہ نے انسان کی طبعی اور فطری ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نکاح کا پاکیزہ اصول رکھا ہے۔ اسی طرح حصول اولاد کی فطری خواہش کی تکمیل کے لیے ازدواجی قانون کا نظام رکھ دیا ہے۔ انہیں اصولوں کو بروئے کار لانے کے لیے غیر منکوحہ اور غیر مملوکہ عورتوں سے زنا اور جنسی ملاپ خواہ ظاہراً یا خفیہ رضا و رغبت سے ہو یا جبر و اکراہ سے، اجرت کے ساتھ ہو یا بغیر اجرت حرام قرار دیا ہے اور اس کے لیے سخت ترین سزا سو کوڑے یا رجم کی سزا رکھی ہے اور آخرت میں عذاب جہنم کی وعید بھی ہے۔ اسی طرح لواطت اور اغلام بازی کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے، دنیا میں اس کے لیے زنا کی طرح کوڑے، قتل، سنگساری، پہاڑ کے اوپر سے گرا کر ہلاک کر دینے کی سزائیں رکھی ہیں، جہنم کے عذاب کی وعید الگ ہے۔

نیز یہ کہ ہر قسم کی بے حیائی اور عریانی و بے پردگی کو ممنوع اور حرام قرار دیا ہے۔ مقصد ان سارے احکام سے یہ ہے کہ انسان کی طبعی اور فطری ضرورت پوری کرنے کے لیے پاکیزہ معاشرہ میسر ہو اور اس کی ازلی شرافت اور پیدائشی کرامت بحال رہے۔ اصول شریعت کے مطابق توالد

تناسل کا سلسلہ بھی یوں ہی چلتا رہے۔ لیکن انسان اگر مذکورہ اصول شریعت اور حدود الٰہیہ کی پابندی نہیں کرتا اور جانوروں کی طرح آزادانہ طور پر ہر عورت سے جب چاہے جس طرح چاہے جنسی ملاپ قائم کرتا ہے اور طبعی اور فطری خواہش کو پورا کرنا چاہتا ہے یا حصول اولاد کے مقررہ اصول سے ہٹ کر اپنی مرضی سے کوئی طریقہ اختیار کرتا ہے تو یہ اپنے خالق کائنات کے قانون سے کھلی بغاوت کرتا ہے اور محسن انسانیت آقائے نامدار محمد رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کی صریح خلاف ورزی کرتا ہے۔ یہ شخص صراط مستقیم سے نکل کر گمراہی اور شیطان کا راستہ اختیار کرتا ہے۔ جنت کے راستہ کو چھوڑ کر جہنم کا راستہ اختیار کرتا ہے جو کہ انسان کے لیے ہلاکت اور تباہی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور سب مسلمانوں کو دین وشریعت کا فہم عطا فرمائے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی اصولی طور پر دو صورتیں بنتی ہیں یا تو مرد کے مادۂ منویہ لے کر اسی مرد کی بیوی کے رحم میں غیر فطری طور پر پہنچایا جائے گا یا غیر مرد کا مادۂ منویہ کسی عورت کے رحم میں پہنچایا جائے گا دونوں کا حکم الگ الگ لکھا جاتا ہے:

۱۔ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کی پیدائش غیر فطری طریقہ ہے جس میں مرد کے مادۂ منویہ اور اس کے جرثومے حاصل کر کے دوسری غیر منکوحہ عورت کے رحم میں غیر فطری طریقے سے ڈالے جاتے ہیں اور یہ جرثومے مدت حمل تک اس اجنبی عورت کے رحم میں پرورش پاتے ہیں اور مدت حمل پوری ہو جانے کے بعد جب بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو عورت کو مدت حمل کی بار برداری اور تکلیف اٹھانے کی معقول اجرت دے کر مرد بچہ لے لیتا ہے۔ اس طرح کی خواہش پوری کی جاتی ہے اور یہ از روئے شرع ناجائز وحرام ہے کیونکہ قرآن وحدیث میں حصول اولاد کے لیے دو ہی اصول مقرر کر دیے ہیں کہ انسان اپنی منکوحہ بیوی سے فطری طریقے سے جماع کرے اور اولاد کی پیدائش کا کرے۔

﴿فالآن باشروهن وابتغوا ما كتب الله لكم﴾ (البقرة: ۱۸۷)

"اور تم اپنی منکوحہ بیویوں سے جماع کرو اور اولاد کا ارادہ کرو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے لکھ رکھا ہے۔"

فطری طریقے سے تحصیل اولاد اس سے کئی فائدے ہیں ایک تو مرد اور بیوی دونوں کی فطری

شہوت پوری ہو جائے گی، دونوں کی شرمگاہیں کسی غلط راستے میں استعمال ہونے سے محفوظ ہو جائیں گی، دوسروں کی نگاہیں بھی اجنبی مرد اور عورت سے پاک رہیں گی۔ اس لیے کہ فطرت کا تقاضہ ہے کہ مرد اور عورت فطرت کے طریقے سے خواہش پوری کریں، جب مرد غیر فطری طریقے سے مادۂ منویہ نکالے گا تو عورت کی فطری خواہش باقی رہے گی تو وہ ضرور کسی غیر مرد سے اور غیر شرعی طریقے سے خواہش پوری کرنے کی کوشش کرے گی، اس میں بہت بڑا دینی اور شرعی نقصان ہے اور اخلاقی ضرر ہے، دیگر یہ کہ مذکورہ بالا طریقہ پیدائش میں یہ خرابیاں بھی ہیں:

(۱) اولاد کے خواہش مند مرد نے جس اجنبی عورت کے رحم میں اپنا مادۂ منویہ ڈالا ہے وہ عورت اس کی منکوحہ یا مملوکہ نہیں ہے جب کہ قرآن و حدیث کی رو سے منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا کسی بھی عورت کے رحم میں انسان اپنا مادۂ منویہ داخل نہیں کر سکتا خواہ فطری طریقہ پر ہو یا غیر فطری طریقہ پر، یا یہ ہے کہ انسان اپنی بیوی (کھیت کی زمین) چھوڑ کر دوسری عورت (غیر مملوکہ زمین) میں کھیتی کرنے کی خواہش سے ہل چلاتا ہو یا بغیر ہل چلائے بیج ڈالتا ہو، جس طرح غیر مملوکہ زمین میں کھیت زراعت کے واسطے بیج ڈالنا جائز نہیں ہے بلکہ بے حیائی اور بے غیرتی کی بات ہے اسی طرح غیر منکوحہ یا دوسرے کی منکوحہ عورت کے رحم میں مادۂ منویہ (جو کہ نسل انسانی کا بیج ہے) کا ڈالنا جائز نہیں ہے بلکہ انتہائی درجہ بے غیرتی اور ذلت کی بات ہے۔

پھر یہ کہ نسل انسانی کی پیدائش کے واسطے شریعت نے عورت کے رحم کو کرائے یا اجرت پر دینے یا لینے کا کوئی طریقہ نہیں رکھا۔ نہ ہی کسی عورت کو عاریت پر لینے یا دینے کی اجازت دی ہے بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ اولاد کی خواہش پوری کرنے کے لیے شرعی اصول کے مطابق کسی بے شوہر عورت سے نکاح کر لو، بلکہ حدیث میں ہے کہ زیادہ اولاد جننے والی عورت سے نکاح کرو، پھر اس سے فطری طریقہ سے مباشرت کرو اور فطری راستے سے نسل انسانی کا مادۂ منویہ عورت کے رحم میں پہنچاؤ اور مباشرت کرتے وقت دل میں اولاد کا ارادہ بھی کرو، اس ہدایت پر عمل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے اگر چاہا تو اولاد کی خواہش پوری فرما دے گا اور اولاد صالح پیدا ہوگی۔

غرض یہ کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے مذکورہ طریقے سے اجنبی عورت کے رحم میں کسی اجنبی مرد کا مادۂ منویہ اور جرثومہ داخل کرنا اولاد حاصل کرنے کی سعی کرنا قرآن و حدیث کی رو سے جائز نہیں۔ اس سے قرآن و حدیث کی بے شمار نصوص کی خلاف ورزی اور شریعت کے بے شمار اصولوں

سے انحراف اور اللہ و رسول اللہ ﷺ کے قانون سے بغاوت لازم آتی ہے اور اس کے علاوہ بے شمار معاشرتی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

مثلاً (الف) جس اجنبی عورت کے رحم میں مرد کا مادۂ منویہ بذریعہ انجکشن یا پچکاری داخل کیا جائے گا خود مرد داخل کرے گا یا ڈاکٹر، تو ان کے سامنے بے حیائی کا مظاہرہ ہوگا، حفاظت شرمگاہ اور حفاظت نگاہ کی پابندی ختم ہو جائے گی، غیرت اور حمیت باقی نہیں رہے گی۔

(ب) پھر پاکیزہ عورت اور اس کی شرمگاہ کرایہ پر دینا اور کرائے کا مال بن جائے گی جب اس کو ضرورت ہوگی اپنے عضو مخصوص کو ذریعہ معاش بنائے گی یہ سلسلہ انسانی معاشرے میں بہت بڑے فساد کا ذریعہ ہوگا۔

(ج) پھر جب اولاد پیدا ہوگی اس کی نسل اور نسب قرآن و حدیث کے لحاظ سے اس مرد سے ثابت نہ ہوگا جس کا مادۂ منویہ عورت کے رحم میں ڈالا گیا ہے کیونکہ شریعت کے اصول میں ثبوت نسب کے لیے عورت کا منکوحہ یا مملوکہ ہونا ضروری ہے اور یہ اجنبی عورت مرد کے خواہشمند مرد کی منکوحہ یا مملوکہ نہیں ہے بلکہ یہ اجنبی عورت اگر کسی مرد کی منکوحہ ہے تو بچہ کا نسب اس عورت کے شوہر سے ثابت ہو جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

الولد للفراش وللعاهر الحجر . (مشكوٰة شريف : ص ٢٨٨)

یعنی اولاد کی نسبت عورت کے شوہر کی طرف ہوگی اور زنا کرنے والوں کے لیے سنگسار کرنے کی سزا ہوگی۔

جس کا مطلب یہ ہوا: جس کا فراش (بیوی) ہے بچہ اس کا ہوگا اور جس اجنبی مرد نے اجنبی عورت کے رحم میں اپنے مادۂ منویہ کو داخل کیا ہے اگر فطری طریقہ سے وطی کر کے داخل کیا ہے تو یہ عین زنا ہے اور غیر فطری طریقہ سے داخل کیا ہے تو یہ اگر چہ عین زنا تو نہیں ہے لیکن حکم زنا میں ہے اس لیے کہ کسی مرد کو اپنی منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا دوسری عورت کے رحم میں مادۂ منویہ داخل کرنے کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ گزشتہ صفحات میں حدیث کے حوالے سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کسی مرد کے لیے حلال نہیں ہے کہ اپنی منکوحہ یا مملوکہ عورت کے سوا کسی عورت کے رحم میں پانی ڈالے (یعنی مادۂ منویہ داخل کرے) اس لیے کہ اس سے جو بچہ ہوگا وہ منی کے جرثومے داخل کرنے والے کا نہ ہوگا بلکہ جس کی عورت ہے اسی مرد سے نسب ثابت ہوگا۔

لوگوں کے ذہنوں میں غلط حرکتوں فحاشی پر مبنی جملہ افعال منتقل ہو جائیں گے جو کہ فساد معاشرہ کا ایک حصہ ہے۔

(۵) اور اس طریقہ ولادت سے یہ بھی نقصان ہوگا کہ مرد نے ایک صحیح النسب بچہ کی جگہ ایک ولد الزنا کو جنم دیا ہے گویا اس نے اپنی منی کے جرثوموں کو ضائع کیا ہے جن سے ولد الزنا پیدا ہوا ہے جب کہ ان جرثوموں کو اگر وہ منکوحہ عورت کے رحم میں داخل کرتا تو صحیح النسب بچہ پیدا ہوتا، اس سے صالح معاشرہ پیدا ہوتا، دنیا میں بھی عزت و شرافت والا نسب نصیب ہوتا، آخرت میں سرخروی حاصل ہوتی جب کہ ولد الزنا کی خود دنیا میں رسوائی ہوتی ہے اور آخرت میں بھی جب کہ اسے باپ کی ولدیت کی جگہ ماں کے نام سے پکارا جائے گا رسوائی ہوگی، زانی کی رسوائی تو ہے ہی۔

(۶) اس جرثومے سے ہونے والے بچہ کی نسبت چونکہ ماں کی طرف ہوگی اس لیے جملہ اخراجات نان ونفقہ وغیرہ بھی ماں کے ذمہ واجب ہوں گے، نہ کہ اس مرد پر جس کے جرثومے تھے، یہ دوسری بات ہے کہ مرد اسے قبول کرے اور اس کی ذمہ داری اٹھائے، لیکن جب شرعاً اس پر لازم نہیں ہے تو یہ بہت ممکن ہے کہ جب مرد یہ دیکھے گا کہ بچہ اس کی خواہش کے مطابق نہیں یا ناقص ہے تو اس کو لینے سے انکار کر دے گا جب کہ قانون شرع اسے مجبور نہیں کرتا، تو اس سے بلا وجہ عورت پر ایک بوجھ ڈالنے کے سوا اور کچھ نہ ہوگا کیونکہ بچہ کا رشتہ ماں سے ہوگا اور اس کے سارے اخراجات کا بوجھ بھی اس پر ہوگا۔

(۷) نیز ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ اولاد پیدا کرنے کا گناہ اجنبی مرد اور عورت دونوں پر ہوگا۔ دونوں شرع اور قانون فطرت سے بغاوت کے مرتکب ٹھہریں گے لیکن چونکہ اس میں حقیقی زنا کی صورت (مرد کا آلہ تناسل غیر منکوحہ کی شرمگاہ میں داخل کرنے کی صورت) نہیں پائی جاتی، اس لیے زنا کی حد تو ان پر جاری نہ ہوگی، البتہ اسلامی حکومت ان پر تعزیری سزا عائد کر سکتی ہے اور آخرت کی سزا الگ ہوگی۔

۲۔ ٹیسٹ ٹیوب کے ذریعہ اولاد پیدا کرنے کا دوسرا طریقہ جس میں مرد اور عورت دونوں میاں بیوی ہوں مگر فطری طریقہ سے ہٹ کر غیر فطری طریقہ سے مرد کے جرثومے اور عورت کے جرثومے کو نکالنے کے بعد خاص ترکیب سے بیوی کے رحم میں داخل کرتے ہیں۔ اس کا حکم پہلے

سے مختلف ہوگا، پہلی بات تو یہ ہے کہ شوہر کا مادہ منویہ عورت کے رحم میں داخل کیا گیا جو کہ ناجائز نہیں ہے، اس طرح اس سے حمل ٹھہرا تو ثابت النسب ہوگا اور اس میں کوئی تعزیری حکم نہیں ہوگا، اس وجہ سے کہ زنا کے حکم میں نہیں ہے اور اس میں گناہ بھی نہیں ہوگا، جب کہ دونوں کے جرثومے نکالنے اور داخل کرنے میں کسی اجنبی مرد اور عورت کا عمل دخل نہ ہو، بلکہ سارا کام بیوی اور شوہر خود ہی انجام دیں لیکن شوہر اور بیوی کے جرثومے کو غیر فطری طریقے سے نکالنے اور عورت کے رحم میں داخل کرنے میں اگر تیسرے مرد یا عورت کا عمل دخل ہوتا ہے اور اجنبی مرد یا عورت کے سامنے شرمگاہ دیکھنے یا دکھانے، مس کرنے یا کرانے کی ضرورت پڑتی ہے تو اس طرح بے حیائی اور بے پردگی کے ساتھ بچہ پیدا کرنے کی خواہش پوری کرنے کی اجازت شرعاً نہ ہوگی، کیونکہ بچہ پیدا کرنا کوئی فرض یا واجب امر نہیں ہے، نہ ہی بچہ پیدا نہ ہونے سے انسان کو جان یا کسی عضو کی ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے تو گویا کوئی شرعی ضرورت و اضطراری کیفیت نہیں پائی جاتی جس سے بدن کے مستور حصے خصوصاً شرمگاہ کو اجنبی مرد یا عورت ڈاکٹر کے سامنے کھولنے کی اجازت دے۔

لہٰذا ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے دوسرے طریقے کو اگر کسی اجنبی مرد یا اجنبی عورت ڈاکٹر کے ذریعہ انجام دیا جاتا ہے تو جائز نہیں ہے، یعنی گناہ کبیرہ کا ارتکاب ہوگا، تاہم بچہ کا نسب شوہر سے ثابت ہوگا، اس کو باپ سے وراثت ملے گی، صحیح اولاد کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔

یہاں اور چند مزید ممکنہ صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں جن کی طرف توجہ نہیں دی گئی، لہٰذا فائدے کے طور پر ان صورتوں کا حکم بھی اجمالاً بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے ذریعہ اولاد حاصل کرنے کا تیسرا طریقہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔

(الف) کہ کوئی شخص نکاح کیے بغیر اولاد حاصل کرنا چاہتا ہو تو وہ کسی عورت کو اولاد حاصل کرنے کے لیے کرائے پر لے اور اس سے فطری طریقے سے زنا کرے یا غیر فطری طریقے سے ٹیسٹ ٹیوب بے بی کے نظام سے اپنے جرثومے کو اس کے رحم میں داخل کر کے اولاد حاصل کرنے کی کوشش کرے، اس کا حکم بھی زنا کا ہے اور اس سے ہونے والا بچہ بھی ولد الزنا ہے۔

(ب) چوتھا طریقہ یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کی سعی کرنے والا مرد نہ ہو بلکہ عورت ہو کہ وہ بلا نکاح کسی مرد کو کرائے پر لے کر اس سے فطری طریقے سے زنا کر کے بچہ پیدا کرے یا کسی اجنبی مرد کے مادہ منویہ کو غیر فطری طریقے سے اپنے رحم میں داخل کر کے بچہ پیدا کرے۔ یہ بھی زنا

کے رحم میں ہے۔ اس میں بچہ تو عورت کا ہی ہوگا لیکن اس کو مدد لیا جاتا ہے تو اس طرح بچہ حاصل کرنا شرعاً ناجائز ہوگا۔

(ج) پانچواں طریقہ یہ ہے کہ اولاد حاصل کرنے کے خواہش مند میاں بیوی ہوں لیکن ان کے جرثومے ناقص یا اولاد پیدا کرنے والے نہ ہونے کی بنا پر کسی ایسے اجنبی مرد کے جرثومے کو ملا کر بیوی کے رحم میں داخل کر دیں جس کے جرثومے میں اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت ہو یا میاں بیوی دونوں کے جرثومے کسی اجنبی عورت کے رحم میں داخل کریں۔ ان صورتوں میں فقط نسب کے شبہات پیدا ہوتے ہیں، تاہم جس عورت کے بطن اور حمل سے بچہ پیدا ہوگا۔ بچہ کی نسبت اس کی طرف ہوگی اور وہ اگر شوہر والی عورت ہے تو اس کے شوہر سے بچے کا نسب ہوگا، خواہش مند عورت سے نہ ہوگا اور اگر عورت بے شوہر ہے تو صرف اسی عورت سے نسب ثابت ہوگا، جس کے بطن میں حمل ٹھہرا اور جس عورت کو اولاد کی خواہش تھی اور اس کے جرثومے بھی ملائے گئے ہوں اس سے نسب کا ثبوت نہ ہوگا۔

بہر حال اس میں مزید صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں لیکن ہم نے جو اصول بیان کر دیے ہیں اور جس تفصیل سے اصول اور مسائل کو دلائل سے ذکر کیا ہے اس سے مزید پیدا ہونے والے مسائل کے حل بھی ان شاء اللہ ملے گا، ایک ادنیٰ درجہ کی عقل رکھنے والے بصیرت و علم کے لیے اتنا کافی ہے۔

مشورہ:

واضح رہے کہ جس مرد کو اللہ تعالیٰ نے قوت مردانیت کی صفت سے نوازا ہے، اگر اس کی بیوی کے اندر کسی کمی کی وجہ سے اولاد نہیں ہوتی تو وہ دوسری، تیسری، چوتھی شادی کر کے اولاد کی خواہش پوری کر سکتا ہے، اس طرح مرد اور عورت دونوں اولاد سے مالا مال ہو سکتے ہیں۔ کسی غیر شرعی فعل کا ارتکاب کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور اگر مرد کے اندر مردانیت نہیں ہے یا کوئی خامی ہے اور عورت کا حال درست ہے تو ایسے موقع پر مرد کو چاہیے کہ حکمت علاج کر کے اپنی قوت مردانیت کو بحال کرنے کی کوشش کرے اور اگر علاج بالکل مفید نہیں ہے، تو ایسے حالات میں عورت کے فطری جذبات کا لحاظ کرتے ہوئے اسے طلاق دے دے اور اس کے فطری جذبات کو قربان نہ کرے، ایسے موقع پر طلاق نہ دینا گناہ ہے۔ یہ چند کلمات لکھ دیے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قبول فرمائے اور لوگوں کے لیے نافع اور سبب موعظت بنائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على

سيد المرسلين وآله واصحابه اجمعين

(ماخوذ از ملخص جواہر الفتاویٰ: ۱/۲٦۸)

بدن پر داغ دے کر مرض کا علاج کرنا:

یہ طریقہ علاج کا بالکل ہی ہے۔ آنحضرت ﷺ سے اونٹوں کو داغ دینا ثابت ہے۔ انسانوں کے متعلق کیا حکم ہوگا اس بارے میں احادیث قولیہ مختلف ہیں، بعض میں داغ دینے کی ممانعت وارد ہے اور بعض میں جواز اور فعلی حدیث میں صحیح یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے خود بھی ایسا علاج نہیں کیا۔ (کما صرح به الحافظ فی فتح الباری)

اور تطبیق بین الروایات یہ ہے کہ نہی تنزیہ پر محمول ہے اور جواز اپنی اصل پر۔

كما ذكره الإمام القسطلاني في المواهب، ولفظه: حاصل الجمع أن الفعل يدل على الجواز وعدم الفعل لا يدل على المنع بل يدل على أن تركه أرجح من فعله ولذا وقع الثناء على تاركه وأما النهي عنه فإما على سبيل الاختيار والتنزيه وإما فيما لا يتعين طريقاً إلى الشفاء. مواهب لدنيه (۲/۱٦٦)

اس لیے فقہاء حنفیہ نے اس بارے میں یہ تفصیل فرمائی ہے کہ یہ علاج فی نفسہ جائز ہے مگر بلا ضرورت شدیدہ خلاف اولیٰ ہے اور چہرہ پر اس کا عمل کرنا مکروہ ہے۔

قال في العالمگيرية (٤/۳۳٦) كشوري - في الباب الثامن عشر من الكراهية: ولا بأس بكي الصبيان إذا كان لداء أصابهم، وكذا لا بأس بكي البهائم للعلامة، كذا في المحيط للسرخسي، ويكره الكي في الوجه، كذا في الفتاوى العتابية - انتهى.

(ماخوذ از إمداد المفتين)

حکیم کی اجرت کا حکم:

جو حکیم اپنے مریضوں سے فیس لے کر علاج کرتے ہیں شرعاً اس طرح فیس لے کر علاج کرنا جائز ہے کیونکہ یہ حکیم کی اجرت جاننے اور تشخیص مرض اور تجویز نسخے کی ہے اس میں کسی قسم کی

کراہت نہیں ہے بلا شبہ جائز ہے بشرطیکہ حکیم علیم ہو۔ یعنی کسی حاذق طبیب نے اس کو علاج کرنے کی اجازت دی ہو ورنہ علاج کا پیشہ اختیار کرنا جائز نہیں۔

اس طرح بہت سے لوگ باقاعدہ ڈاکٹری پڑھنے کی بجائے معمولی انگریزی پڑھ کر علاج کا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں اس سے بہت سے مریضوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے بلکہ بعض لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ شرعاً یہ جائز نہیں۔ نیز اس میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کا بھی گناہ ہے۔ اس لیے قانون کے مطابق امتحان دے کر سند حاصل کی جائے اس کے بعد یہ پیشہ اختیار کرنا چاہیے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ولا يصح منعه ماجن بعلم الحيل الباطلة كتعليم الردة لتبين من زوجها او لتسقط عنها الزكاة وطبيب جاهل.

علامہ حصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ایسے جاہل مفتی کو فتویٰ دینے سے روکا جائے گا جو لوگوں کو باطل حیلے سکھاتا ہے جیسے عورت کو شوہر سے جدائی کے لیے مرتد ہونے کا مشورہ دینا یا زکاۃ ساقط کرنے کا حیلہ سکھانا، اسی طرح جاہل طبیب پر علاج کے سلسلہ میں پابندی عائد کی جائے گی۔

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله طبيب جاهل) بأن يسقيهم دواء مهلكا وإذا قوي عليهم لا يقدر على إزالة ضرره زيلعي. (ردالمحتار: ۵/۹۳)

تعویذ کا حکم:

بعض لوگ قرآن مجید کی آیات کریمہ کو کاغذ میں لکھ کر مریضوں کو یا ضرورت مندوں کو دیتے ہیں جسے وہ گلے یا بازو پر باندھتے ہیں اور اس سے انہیں کافی رقم ملتی ہے۔ الغرض یہ عمل ایک کاروباری صورت اختیار کر گیا ہے۔ اب شریعت مطہرہ کی رو سے تعویذ کا کیا حکم ہے؟ اس پر اجرت لینے کا کیا حکم ہے؟ اس کو تفصیل سے لکھتے ہیں:

احادیث صحیحہ صریحہ کثیرہ سے رقیہ (دم) کا ثبوت بے غبار ہے۔ لیکن بکثرت روایات سے ثابت ہے کہ تمیمہ (تعویذ) کی مندرجہ ذیل صورتیں ناجائز ہیں۔

١. ٹونا جو سیپی، دانے یا لوہے وغیرہ کے ٹکڑے کو باندھ کر کیا جاتا ہے۔

۲۔ تعویذ کو مؤثر بالذات سمجھا جائے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں تھا اور اب بھی بعض جاہل یوں ہی سمجھتے ہیں۔

یہ صورتیں بلاشبہ ناجائز اور حرام ہیں۔

تعویذ میں اسماء اللہ تعالیٰ، آیات قرآنیہ اور ادعیہ ماثورہ ہوں تو یہ جائز اور ثابت ہے اس کو ناجائز کہنا بدعت ہے کیونکہ اس قسم کے تعویذ میں مؤثر بالذات صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھا جاتا ہے۔

حاصل یہ کہ جواز تعویذ کے لیے تین شرائط ہیں

(۱) ثابت شدہ ہو۔

(۲) الفاظ ماثور یا معقول ہوں۔

(۳) اس کے نافع بالذات ہونے کا اعتقاد نہ ہو۔

وكان عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما يعلمهن من عقل من بنيه ومن لم يعقل كتبه فاعلقه عليه. (أبو داؤد: ٦/ ٩٧)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما اپنے سمجھدار بچوں کو معوذات سکھاتے تھے اور جو غیر سمجھدار تھے تو ان کے گلے میں لٹکاتے تھے۔

(۴) کسی غیر شرعی مقصد کے لیے نہ ہو جیسا کہ دو مسلمانوں کے درمیان نفرت اور عداوت پیدا کرنے کے لیے، یا کسی اجنبی مرد یا عورت کے ساتھ ناجائز تعلق کے لیے تعویذ کیا جائے۔

باقی تعویذ دینے کا عمل اگرچہ خود رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا لیکن اس سے یہ ثابت کرنا کہ یہ عمل ناجائز ہے صحیح نہیں، روایت مذکورہ بالا میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا عمل نقل کیا گیا ہے جو اس عمل کے جواز کے لیے کافی ہے، ہر عمل شرعی کا روایت متواترہ سے ثابت ہونا ضروری نہیں۔

اس عمل پر اجرت لینا فی نفسہ جائز تو ہے جیسا کہ روایت میں اس کی تصریح ہے۔ تفصیل کتاب الاجارہ میں گزر چکی ہے، لیکن اسے مستقل طور پر پیشہ بنا کر اختیار کرنا دینداروں کے لیے مناسب نہیں۔

کیونکہ آج کل اکثر عوام بے شمار گناہوں میں مبتلا ہیں، پھر وہ ایسی چیزوں کو سہارا بنا کر اور زیادہ دین سے دور ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑنے کی ضرورت نہیں، اس کے بغیر

بھی اللہ تعالیٰ ہمارے ذمہ کر دیتے ہیں تو اس سے ان کے دین کا نقصان ہوگا۔

اس عمل سے فائدہ ہونا یقینی نہیں، کبھی فائدہ ہو جاتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ اس کی مثال بالکل ڈاکٹری دوائی طرح ہے کہ اس سے کبھی کسی مریض کو فائدہ ہو جاتا ہے اور کبھی فائدہ کی بجائے الٹا نقصان بھی ہوتا ہے۔

اس وقت مسلمانوں پر اجتماعی طور پر اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے، یہ دین پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے آیا ہے۔

لقولہ تعالیٰ: وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم

یعنی انسان جن آفات ومصائب کا شکار ہوتے ہیں وہ ان کے بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں۔

اگر آج بھی سارے مسلمان اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں گناہوں سے اجتناب کرنے کی مکمل کوشش کریں تو ان پر بھی اللہ تعالیٰ کی وہی مدد آسکتی ہے جو کہ قرون اولیٰ میں مسلمانوں کے ساتھ کی گئی تھی۔

﴿ وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین ﴾

یعنی تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان پر قائم رہے۔

تداوی بالمحرمات:

یعنی کسی حرام چیز کو بطور دوا استعمال کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر حالت اضطراری ہو، یعنی وہ محرم استعمال کیے بغیر جان کا بچنا مشکل ہو تو بقدر ضرورت تداوی بالمحرم بالاتفاق جائز ہے، لیکن اگر جان کا خطرہ نہ ہو بلکہ مرض کو دور کرنے کے لیے تداوی بالمحرم کی ضرورت ہو تو اس میں ائمہ کا اختلاف ہے، امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں بھی تداوی بالمحرم مطلقاً جائز ہے، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک اس صورت میں تداوی بالمحرم مطلقاً ناجائز ہے، امام حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک تمام مسکرات سے تداوی ناجائز ہے، جبکہ باقی محرمات سے جائز ہے، حنفیہ میں سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور امام محمد رحمہ اللہ بھی امام شافعی رحمہ اللہ کی طرح مطلقاً عدم جواز کے قائل ہیں، جبکہ امام طحاوی رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ خمر کے علاوہ باقی تمام محرمات سے تداوی جائز ہے، حنفیہ میں سے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کوئی طبیب حاذق یہ فیصلہ کرے کہ تداوی بالمحرم کے بغیر بیماری سے چھٹکارا ممکن نہیں ہے تو

اس صورت میں تداوی بالمحرم جائز ہوگا۔

حضرت مولانا ظفر عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تداوی بالمحرم اس وقت جائز ہے، جبکہ کوئی طبیب مسلم حاذق یا مسلمان ڈاکٹر حاذق یہ کہہ دے کہ اس مرض کے لیے صرف ایک دوا ہے اس کے قائم مقام کوئی دوا نہیں، اگر اس کے قائم مقام کوئی دوا ہو مگر اس سے شفاء دیر میں ہوگی اور حرام میں جلدی ہوگی تو اس میں دو قول ہیں:

قال في الهندية: وإن مريضا أشار إليه الطبيب بشرب الخمر روي عن جماعة من أئمة بلخ أنه ينظر إن كان يعلم يقينا أنه يصح حل له التناول فقد يجوز للعليل شرب البول والدم وأكل الميتة للتداوي إذا أخبره طبيب مسلم أن شفاءه فيه ولم يجد من مباح ما يقوم مقامه، وإن قال الطبيب يتعجل شفاءك به وجهان هل يجوز شرب القليل من الخمر للتداوي إذا لم يجد شيئا يقوم مقامه فيه وجهان. اهـ.

(٢٣٦/٦)

پس جن دواؤں میں یہ شبہ ہو یا شحم خنزیر کا ہونا معلوم ہو ان کا استعمال بدون شرط مذکور کے جائز نہیں اور ﴿ولا ما اضطررتم إليه﴾ میں اس کو داخل کرنا عجیب فہم ہے۔

اضطرار اسباب یقینیہ میں ہوا کرتا ہے اور تداوی وعلاج اسباب مظنونہ میں سے ہے۔

فلا اضطرار فيه أصلا حتى لو ترك الدواء ومات لم يأثم، ولو شرب الخمر وهو عطشان ومات أثم لتيقن زوال العطش بشربها وعدم تيقن زوال المرض به فتدبرها.

قال في الهندية: وأكل الترياق يكره إذا كان فيه شيء من الحيات وإن باع ذلك جاز اهـ. (٢٣٦/٦)

اس سے ان ادویہ کا جواز بیع مفہوم ہوتا ہے جن میں شی محرم ملی ہوتی ہے بیع خالص محرم کی ناجائز ہے جیسے خالص شراب یا خالص شحم خنزیر اور مخلوط بالحرام کی بیع جائز ہے۔

كالسرقين المخلوط بالتراب يجوز بيعه۔

باقی یہ علیحدہ امر ہے کہ مسلمان تداوی بالمحرم میں کفار کے محتاج ہوں گے آخر ان کی تجارت

ہے جس میں کفار سے مصالحتوں کو ختم کرتا ہے جن احتیاط ان اخفاء میں حرج کیا ہے جبکہ تمام
سیاحت میں بھی ان سے مستغنی نہیں ہیں۔ (ماخوذ از [illegible] احکام [illegible])

الحدود والتعزيرات

حدود و تعزیرات کے احکام

قرآن کریم اور احادیث متواترہ نے چار جرائم کی سزا اور اس کا طریقہ خود متعین کر دیا ہے کسی قاضی یا امیر کی رائے پر نہیں چھوڑا انہیں متعینہ سزاؤں کو اصطلاح شریعت میں "حدود" کہا جاتا ہے ان کے علاوہ باقی جرائم کی سزا کو اس طرح متعین نہیں کیا گیا بلکہ امیر یا قاضی مجرم کی حالت اور جرم کی حیثیت ماحول وغیرہ کے مجموعہ پر نظر کر کے جتنی مقدار سزا دینے کو انسداد جرم کے لیے کافی سمجھے وہ سزا دے سکتا ہے۔ ایسی سزاؤں کو شریعت کی اصطلاح میں "تعزیرات" کہا جاتا ہے۔ حدود شرعیہ چار ہیں:

(۱) حد سرقہ۔ چوری کرنے پر حد۔
(۲) حد زنا زنا کرنے پر
(۳) حد قذف یعنی کسی پاکدامن عورت پر تہمت رکھنے کی سزا۔
(۴) حد شرب الخمر یعنی شراب پینے پر سزا

حدود کی مشروعیت کی حکمت:

ان جرائم میں سے ہر جرم اپنی جگہ بڑا سخت اور دنیا کے امن کو تباہ کرنے والا اور بہت سی خرابیوں کا مجموعہ ہے۔ ان برائیوں پر قدغن لگانے کے لیے اور امت مسلمہ کو ان تباہ کن برائیوں سے بچانے کے لیے اور امت کی جان و مال، عزت و آبرو یعنی جانوں کی عزت و عصمت کو بچانے کے لیے شریعت مطہرہ نے اعلانی سزائیں مقرر کیں تاکہ ان سزاؤں کو دیکھ کر لوگ ایسے جرائم کے ارتکاب سے باز آجائیں۔ معاشرہ میں امن و سکون قائم ہو تاکہ کوئی بدبخت کسی کی ماں بہن کی عزت نہ لوٹے، کوئی ظالم نفس کسی کی جان سے نہ کھیلے، کوئی لالچی حریص کسی کے مال پر ہاتھ نہ ڈالے۔

پھر ان جرائم میں زنا خاص طور پر ایسا جرم ہے کہ اس کے انجام اور نتائج بہت ہی برے ہیں۔

کسی شخص کی بیٹی، بہن، بیوی پر ہاتھ ڈالنا اس کی ہلاکت کے مترادف ہے۔ شریف انسان جس میں ذرہ بھر حیا اور غیرت موجود ہے اس کو سارا مال و جائیداد اور اپنا سب کچھ قربان کر دینا اتنا مشکل نہیں جتنا اپنے حرم کی عفت پر ہاتھ ڈالنا۔ یہی سبب ہے کہ دنیا میں روزمرہ یہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ جن لوگوں کے حرم پر ہاتھ ڈالا گیا ہے وہ اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر زانی کے قتل کے درپے ہوتے ہیں یہ جوش انتقام نسلوں میں چلتا ہے اور خاندانوں کو تباہ کر دیتا ہے اور جس قوم میں زنا عام ہو جائے وہاں کسی کا نسب محفوظ نہیں رہتا، ماں بہن، بیٹی وغیرہ جن سے نکاح حرام ہے جب یہ رشتے بھی غائب ہو گئے تو اپنی بیٹی اور بہن بھی نکاح میں آ سکتی ہے۔ جو زنا سے بھی بدتر گناہ ہے۔

غور کیا جائے تو دنیا میں جہاں کہیں بدامنی اور فتنہ و فساد ہوتا ہے اس کا بیشتر سبب عورت اس سے کم مال ہوتا ہے۔

یہ اسلامی سزائیں امن عالم کا ضامن ہیں، مگر چونکہ اہل مغرب و یہود و نصاریٰ اور مغرب زدہ لوگ جو مغرب کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہیں اور مادہ پرستی، نفس پرستی میں مبتلا ہیں ان کو یہ سزائیں ایک آنکھ نہیں بھاتی اس لیے وہ ان سزاؤں کو ظالمانہ قرار دیتے ہیں، آئے دن ان کے خلاف تحریر دراز کرتے ہیں اپنی نجی محفلوں میں حکومتی ایوانوں میں جہاں کہیں ان کو دریدہ دہنی کا موقع ملے وہ خدائی قوانین کے خلاف بیان بازی کر کے اپنے مغربی آقاؤں کو خوش کرتے ہیں اور فحاشی و عریانی اور زنا جیسے شرمناک حیا سوز عذاب الٰہی کو دعوت دینے والے گناہ کرنے والوں کی پشت پناہی کرتے ہیں اور ان کے لیے راہ ہموار کرتے ہیں حالانکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ولا تقربوا الزنیٰ انہ کان فاحشۃ وساء سبیلا﴾

(سورۃ الإسراء: ٣٢)

یعنی زنا کے قریب بھی مت جاؤ کیونکہ وہ بے حیائی ہے اور بہت ہی برا راستہ ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ زناکاری اور اس کے اسباب و دیگر ذرائع سے اپنے آپ کو دور رکھے اور جہاں کہیں یہ بے حیائی کا کام ہو اس کو روکنے کے لیے انفرادی اور اجتماعی کوشش کرے اب ہم زنا کی سزا کو تفصیلی تحت احادیث مبارکہ سے پیش کرتے ہیں:

حد زنا احادیث کی روشنی میں:

عن عبد اللہ بن عمر انہ قال ان الیہود جاؤا الی رسول اللہ صلی

الله عليه وسلم فذكروا له ان رجلا منهم وامرأة زنيا فقال لهم رسول
الله صلى الله عليه وسلم ما تجدون في التوراة في شأن الرجم
فقالوا نفضحهم ويجلدون قال عبد الله بن سلام كذبتم ان فيها
الرجم فأتوا بالتوراة فنشروها فوضع احدهم يده على آية الرجم
فقرأ ما قبلها وما بعدها فقال له عبد الله بن سلام ارفع يدك فرفع يده
فإذا فيها آية الرجم قالوا صدق يا محمد فيها آية الرجم فأمر بهما
رسول الله صلى الله عليه وسلم فرجما فرأيت الرجل يحنأ على
المرأة يقيها الحجارة.

(بخاري: ٢/١٠١١، ترمذي: ١/٢٧٣، موطا إمام مالك:
ص ٦٨٣، مسلم: ٢/٦٩)

عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہودیوں کی ایک جماعت حضور ﷺ کے
پاس حاضر ہوئی اور کہا کہ ان میں سے ایک شادی شدہ مرد نے ایک عورت شادی شدہ کے ساتھ زنا
کیا ہے اس کی سزا کیا ہونی چاہیے؟ رسول اللہ ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کیا تمہاری کتاب
تورات میں رجم کے بارے میں کچھ نہیں؟ انہوں نے جواب دیا اس میں جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ ہم
ان کو رسوا کرتے ہیں اور ان کو کوڑے مارے جاتے ہیں۔ عبداللہ بن سلام نے کہا کہ تم نے جھوٹ
کہا ہے تورات میں رجم کی آیت موجود ہے۔ پس وہ ان میں سے کوئی تورات لے کر آیا اس کو کھولا اور
ایک شخص نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ دیا اور آیت رجم سے آگے اور پیچھے پڑھ کر سنایا۔ حضرت عبداللہ
بن سلام نے اس یہودی سے کہا جس نے آیت رجم پر ہاتھ رکھ دیا تو تم اپنا ہاتھ اس جگہ سے اٹھاؤ
اس نے ہاتھ اٹھایا۔ دیکھا کہ آیت رجم موجود ہے تو انہوں نے اقرار کر لیا کہ ہاں اے محمد! یہاں پر
آیت رجم موجود ہے۔ عبداللہ بن سلام نے سچ کہا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے رجم
(سنگسار) کا حکم فرمایا اور دونوں کو رجم کیا گیا۔

حدیث مذکور سے امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ نے استدلال کیا ہے کہ غیر مسلم ذمی اگر
زنا کرے اور دونوں شادی شدہ ہوں تو رجم کیا جائے گا جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے رجم کے بارے
میں ان سے سوال کرنے اور آپ کے رجم کے حکم دینے سے معلوم ہوتا ہے۔

عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم خذوا عني خذوا عني ﴿قد جعل الله لهن سبيلا﴾ الثيب بالثيب جلد مائة ورمي بالحجارة والبكر بالبكر جلد مائة ونفي سنة.

(مسلم ٢/٦٥، ابو داؤد: ٢/٦٠٣ اللفظ لمسلم)

عبادہ ابن الصامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے دین لو کہ اللہ تعالی نے ﴿او یجعل اللہ لھن سبیلا﴾ کا وعدہ پورا فرمایا اور زانی مرد اور زانیہ عورت کا حکم متعین فرمایا۔ ان کے لیے شرعی راستہ بیان فرما دیا وہ یہ کہ شادی شدہ مرد اور شادی شدہ عورت کے لیے سو کوڑے اور سنگسار اور غیر شادی شدہ مرد اور عورت کے لیے صرف سو کوڑے اور ایک سال شہر بدر کرنا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ حدیث مذکور میں غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے سو کوڑے اور شہر بدر کرنے کا شادی شدہ زانی اور زانیہ کے لیے رجم کے علاوہ سو کوڑے کا ذکر بھی ہے لیکن نبی کریم ﷺ نے شادی شدہ مرد اور عورت کے بارے میں صرف رجم پر اکتفا فرمایا۔

عن ابي هريرة انه قال اتى رجل من المسلمين الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو في المسجد فناداه فقال يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اني زنيت فاعرض عنه فتنحى تلقاء وجهه فقال له يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اني زنيت فاعرض عنه حتى ثنى ذلك عليه اربع مرات فلما شهد على نفسه اربع شهادات دعاه رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ابك جنون قال لا قال فهل احصنت قال نعم فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذهبوا به فارجموه وفيه يقول جابر فكنت فيمن رجمه فرجمناه.

(بالمصلى، مسلم: ٢/٦٦)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مسلمانوں میں سے ایک شخص مسجد نبوی میں آیا جبکہ رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے اس شخص نے آواز دے کر کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا آپ نے اس کی طرف توجہ نہ کی پھر یہ شخص آپ کے سامنے کی طرف سے آیا

اور کہا یا رسول اللہ میں نے زنا کیا آپ نے کوئی توجہ نہ دی اس طرح دو یا سہ بار کہا۔ جب اس نے اپنے اوپر چار مرتبہ شہادت دی تو آپ نے اس کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا تجھے جنون تو نہیں اس نے کہا نہیں پھر آپ نے پوچھا تو شادی شدہ ہے اس نے کہا ہاں پس آنحضرت ﷺ نے صحابہ سے فرمایا اس کو لے جاؤ اور رجم یعنی سنگسار کرو۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رجم کرنے والوں میں میں بھی تھا ہم نے اسے عید گاہ میں جا کر رجم کیا۔ حدیث مذکورہ کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں جو کہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے تھے اور وہ رجم کا چشم دید واقعہ بیان فرما رہے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کا حکم دیا اور رجم کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ رجم کا واقعہ سورۂ نور کے بعد ہوا ہے کیونکہ سورۂ نور کی آیت الزانیۃ والزانی ۶ ہجری میں واقعہ افک کے موقع پر اتری لہذا یہ اعتراض غلط ہو گا کہ رجم کے واقعات سورۂ نور سے قبل ہوئے ہیں۔

اور عبداللہ بن ابی اوفی کا یہ کہنا کہ رجم کے واقعات سورۂ نور سے قبل ہیں یا بعد مجھے معلوم نہیں ہمارے استدلال کو مشتبہ نہیں بنا سکتا کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جزم و یقین کے ساتھ فرماتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں رجم ہوا ہے۔

عن عبد الله ابن بريدة قال فلما رجم ماعز بن مالك فجاءت الغامدية فقالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم اني قد زنيت فطهرني وانه ردها فلما كان الغد قالت يا رسول الله صلى الله عليه وسلم لما تردني لعلك ان تردني كما رددت ماعزا فوالله اني لحبلى قال الآن فاذهبي حتى تلدي . قال فلما هذا قد ولدته قال اذهبي فارضعيه حتى تفطميه فلما فطمته أتته بالصبي في يده كسرة خبز فقالت هذا يا نبي الله قد فطمته وقد اكل الطعام فدفع الصبي الى رجل من المسلمين ثم امر بها فحفرلها الى صدرها وامر الناس فرجموها فيقبل خالد ابن وليد بحجر فرمى راسها فتنضح الدم على وجه خالد فسبها فسمع النبي صلى الله عليه وسلم سبه اياها فقال مهلا يا خالد فو الذي نفسي بيده لقد تابت توبة لو تابها صاحب مكس لغفرله ثم امربها فصلى عليها ودفنت .

[مسلم: ۳/۱۶۹۵، ابو داؤد: ۴/۴۴۴۲]

عبد اللہ ابن بریدہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ ماعز بن مالک اسلمی کو رجم کیا گیا تو غامدیہ کی عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی اور کہا کہ میں نے زنا کیا مجھے پاک کیجئے تو آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اس عورت کو واپس کر دیا دوسرے روز پھر آئی اور گزشتہ روز کی طرح بات کی آپ ﷺ نے کوئی توجہ نہیں دی تو عورت نے عرض کیا آپ مجھے کیوں واپس کر دیتے ہیں۔ مجھے شبہ ہے کہ آپ ماعز بن مالک کی طرح مجھے بھی واپس کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے یقیناً زنا کیا ہے چنانچہ اب میں حاملہ ہوں تو آپ نے فرمایا ابھی مدت تم نہیں کی جب تک کہ بچہ جنو جاؤ وضع حمل تک انتظار کرو جب وضع حمل ہو گیا پھر عورت بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ابھی نہیں بچے کو دودھ پلاؤ۔ دودھ چھڑانے کا انتظار کرو۔ جب بچے کی مدت رضاعت ختم ہو گئی اور روٹی کھانے کے قابل ہو گیا وہ عورت بچے کو لے کر پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا اے اللہ کے نبی! میرے بچے کی مدت رضاعت ختم ہو گئی اب وہ کھانا کھانے لگا ہے تب رسول اللہ ﷺ نے بچے کو کسی مسلمان کے ہاتھ پرورش کے لیے دے دیا اور عورت کو رجم کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ صحابہ کرام نے سینہ تک گڑھا کھود کر عورت کو اس میں ڈال کر رجم کیا۔ خالد بن ولید نے ایک پتھر لے کر اس کے سر پر مارا جس سے خون نکل کر حضرت خالد کے منہ پر آ پڑا حضرت خالد نے اس کو گالی دی رسول کریم ﷺ نے سن لیا اور حضرت خالد سے فرمایا چپ رہو (اے خالد) قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس عورت نے ایسی توبہ کی اگر اس طرح کی توبہ ظالمانہ ٹیکس وصول کرنے والا کرتا تو اس کا گناہ بھی معاف ہو جاتا اور پھر آپ نے اس پر نماز جنازہ پڑھائی اور اس کو دفنا دیا گیا۔

عن عمران بن حصين ان امرأة من جهينة اتت النبي صلى الله عليه وسلم وهي حبلى من الزنا فقالت يا نبي الله صلى الله عليه وسلم اصبت حدا فاقمه علي فدعا نبي الله صلى الله عليه وسلم وليها فقال احسن اليها فاذا وضعت فائتني بها ففعل فامر بها نبي الله صلى الله عليه وسلم فشدت عليها ثيابها فرجمت ثم صلى عليها فقال له عمر تصلي عليها يا نبي الله صلى الله عليه وسلم وقد زنت

فقال لقد تابت توبة لو قسمت بين سبعين من أهل المدينة لوسعتهم.

(رواه مسلم: ٢/٦٩، أبو داؤد: ٢/٦٠٩)

عمران بن حصین سے روایت ہے کہ ایک عورت جہنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئی جبکہ وہ زنا سے حاملہ تھی اور اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں نے زنا کیا اور مجھ پر حد لازم ہوگئی لہٰذا آپ مجھ پر حد قائم کردیجئے۔ آپ ﷺ نے اس کے ولی کو بلایا اور کہا کہ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو جب وضع حمل ہوجائے تو اسے میرے پاس لے آؤ۔ اس عورت کے ولی نے ایسا ہی کیا۔ جب عورت کو لایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رجم (سنگسار کرنے) کا حکم دیا اور مضبوط کرکے اس پر کپڑے باندھ دیے گئے تاکہ رجم کی حالت میں بے پردگی نہ ہو اور رجم کرکے اسے ہلاک کردیا گیا اور آنحضرت ﷺ نے اس پر نماز جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے تو زنا کیا ہے آپ اس کی نماز جنازہ ادا کررہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس عورت نے تو ایسی توبہ کی ہے کہ اگر مدینہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کی جائے تو کافی ہے۔

یہاں پر ایک وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ غامدیہ والی عورت کے متعلق نبی کریم نے فرمایا کہ بچہ کو دودھ پلا کر جب وہ کھانا کھانے کے قابل ہوجائے پھر آنا تاکہ تمہارے اوپر حد قائم کی جائے اور جہینہ والی عورت کے متعلق فرمایا کہ وضع حمل کے بعد اس کو لاؤ تاکہ حد قائم کی جائے دونوں کے حکم میں فرق کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر زانیہ عورت کے وضع حمل کے بعد بچہ کی پرورش کرنے کا انتظام ہے پرورش کرنے والا کوئی موجود ہے پھر تو وضع حمل کے بعد ہی حد قائم کی جائے گی اور اگر بچہ کی پرورش کے لیے کوئی انتظام نہیں ہے تو دودھ چھڑانے تک انتظار کیا جائے گا۔

عن جابر أن رجلا زنا بامرأة فلم يعلم بإحصانه فجلده رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم علم بإحصانه فرجمه. (أبو داؤد: ٢/٦٠٩)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے کسی عورت سے زنا کیا حضور اکرم ﷺ کے سامنے اس کا احصان ثابت نہ ہوا اس لیے آپ نے کوڑے کی سزا دی بعد میں معلوم ہوا کہ شادی شدہ تھا تو آپ نے رجم کیا۔

عن علي حين رجم المرأة يوم الجمعة قال رجمتها بسنة رسول الله صلى الله عليه وسلم. (بخاري: ٢/١٠٠٦)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب انہوں نے اپنے عہد خلافت میں ایک عورت کو رجم کیا تو فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ کے طریقہ کے مطابق رجم کیا ہے۔

عن عبد الله ابن مسعود رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يحل دم امرء مسلم يشهد أن لا إله إلا الله وأني رسول الله إلا بإحدى ثلاث الثيب الزاني والنفس بالنفس والتارك لدينه المفارق للجماعة رواته عائشة فيه رجل زنى بعد إحصان فانه يرجم.

(واللفظ لأبي داؤد: ص ٥٩٨، بخاري: ١٠١٦/٢، مسلم: ٥٩/٢)

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر اس مسلمان کا خون جو اللہ کے ایک ہونے اور محمد (ﷺ) کے رسول ہونے کی گواہی دے کسی دوسرے مسلمان کے لیے حلال نہیں مگر تین میں سے کوئی ایک ہو تو حلال ہے:

(۱) جبکہ شادی شدہ زنا کرے۔

(۲) کسی نے دوسرے کو ناحق قتل کیا ہو۔

(۳) جس نے دین کو چھوڑا یعنی مرتد ہو گیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ جس نے احصان کے بعد زنا کیا اسے رجم کیا جائے گا۔

عن عمر بن خطاب قال رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجم أبو بكر ورجمت ولولا أني أكره أن أزيد في كتاب الله لكتبته في المصحف فإني قد خشيت أن يجيء أقوام فلا يجدونه في كتاب الله فيكفرونه وفي الباب عن علي حديث عمر حديث حسن صحيح وروي من غير وجه عن عمر۔ (ترمذي: ١٧٢/١)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا اور ابوبکر نے رجم کیا اور میں نے رجم کیا۔ اگر میں اس بات کو برا نہ جانتا کہ کتاب اللہ میں اضافہ کیا جائے تو رجم کی آیت (الشيخ والشيخة الخ) کو مصحف قرآن میں لکھ دیتا کیونکہ مجھے تو قوی اندیشہ ہے کہ کچھ لوگ

کے بعد ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کہ کتاب اللہ میں رجم کو واضح طور پر نہ دیکھنے کی وجہ سے منکر ہو کر کافر ہو جائیں گے۔ یہ حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی روایت ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے تو بے شمار طرق سے ثابت ہے۔

عمل بالرجم الخلفاء الراشدون قال عمر رجم رسول الله صلى الله عليه وسلم ورجم أبو بكر ورجمت وكذا عن علي.

رجم پر خلفاء راشدین نے عمل کیا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے رجم کیا، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رجم کیا اور میں نے رجم کیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رجم کیا۔ (موطا امام مالک۔ ص ٦٨٦)

تاریخی اعتبار سے عہد رسالت میں کئی افراد پر رجم کیا گیا اور خلفائے راشدین نے اپنے زمانہ میں رجم کیا۔

امام ترمذی نے حدیث رجم کے بارے میں جن راویوں کے نام ذکر کیے ہیں وہ درج ذیل ہیں:

وفي الباب عن أبي بكر، عبادة بن الصامت، وأبي هريرة، وأبي سعيد الخدري، وابن عباس، وجابر بن سمرة، وهزال، بريدة، وسلمة بن المحبق، وأبي برزة، وعمران بن حصين. (ترمذي۔ ص ١٧٦)

اور دیگر مختلف جگہ میں جن کا نام مذکور ہے ان میں عبد اللہ ابن مسعود، عبد اللہ ابن عمر، حضرت عمر، حضرت ابو بکر، حضرت عثمان اور حضرت علی بھی ہیں۔ حضرت عائشہ، براء بن عازب، عمرو بن العاص وغیرہ شامل ہیں۔

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی غیر شادی شدہ عورت یا مرد کے بارے میں شرعی شہادت سے یا ان کے اقرار سے ثابت ہو جائے کہ انہوں نے زنا کا ارتکاب کیا ہے تو ان کو بطور سزا سو کوڑے مارے جائیں گے اور اگر حاکم ضرورت محسوس کرے تو ان کو جلا وطن بھی کر سکتا ہے اور اگر کوئی شادی شدہ جوڑا یا ایک سے یہ جرم ثابت ہو جائے تو اس کو بطور سزا سنگسار کیا جائے گا۔

زنا کی سزا چونکہ بہت سخت ہے اور اس کا احتمال ہے کہ سزا جاری کرنے والوں کو ان پر رحم

حیثیت سے نمٹنے پر کس رکھا گیا ہے؟

۴۔ اگر شوہر بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ عین زنا کی حالت میں دیکھے تو ایسے شوہر کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟ کیا وہ اس زانی مرد اور بیوی کو قتل کر سکتا ہے یا نہیں؟ قتل کرنے کی صورت میں شوہر پر شرعاً کوئی سزا ہوگی یا نہیں؟

۵۔ موجودہ دور میں جبکہ سرکاری عدالتیں اور قانون موجود ہے تو مذکورہ جرگہ و پنچایت کی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ آیا ان کو اس طرح کے معاملات کے فیصلے کرنے کا اختیار حاصل ہے یا نہیں؟ اور ان کے کیے ہوئے فیصلے پر عمل کرنا لازم ہوگا یا نہیں؟

۶۔ جرگہ کا جرم ثابت کرنے کی صورت میں مجرم مرد کے خاندان سے کسی لڑکی کو جرم کا عوض بنا کر نکاح کرانا شرعاً کیسا ہے؟

۷۔ ملزم کے خاندان سے مالی جرمانہ وصول کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو اس جرمانہ کا مصرف کیا ہوگا؟

۸۔ جہاں ملزم مرد و عورت کو بغیر نماز جنازہ اور کفن دفن کے گڑھے وغیرہ میں ڈال دیا جائے تو علاقہ والوں اور رشتہ داروں پر شرعاً کیا لازم ہوگا؟

از راہ کرم ان مسائل کا مدلل مفصل جواب عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

جواب:

واضح ہو کہ کسی شخص کو ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے، قرآن و حدیث میں اس پر سخت وعیدیں آئی ہیں:

لقوله عليه السلام: اول ما يقضى بين الناس يوم القيامة في الدماء. (متفق عليه)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا وہ خون ہے۔ (بخاری و مسلم)

وقوله عليه السلام: لن يزال المؤمن في فسحة من دينه مالم يصب دما حراما. (رواه البخاري)

یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تک کوئی مسلمان قتل ناحق کا مرتکب نہ ہو وہ اپنے

اپنے دین کی وسعت اور کشادگی میں رہتا ہے۔ چونکہ قتل عظیم گناہ ہے اس لیے شریعت مطہرہ نے حدود و قصاص کے نفاذ کو شخصی ذمہ داری میں رہنے کی بجائے حاکم وقت کو ذمہ دار بنایا تاکہ مزید کوئی فساد نہ ہو، نیز زنا کاری بہت قبیح فعل ہے جو ناقابل معافی ہے، زنا سے بچنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

لقوله تعالى: ﴿ولا تقربوا الزنى إنه كان فاحشة وساء سبيلا﴾

(سورة الإسراء)

اسی طرح محض شبہ کی بنا پر بلا تحقیق کسی پر الزام لگانا بھی بڑا گناہ ہے، خصوصاً کسی پاکدامن خاتون پر زنا کا الزام لگانا۔

لقوله تعالى: ﴿إن الذين يرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا في الدنيا والآخرة ولهم عذاب عظيم﴾ (سورة النور)

(۳.۱) اس وضاحت کے بعد صورت مسئولہ میں اگر کوئی شوہر لفظ "کاری" استعمال کر کے بیوی کو گھر سے باہر نکالے تو شرعاً اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ اس کا معنی "زانیہ" کا ہے، یہ طلاق کے لیے مستعمل نہیں ہے، اس کے بعد اگر دونوں میں صلح صفائی ہو جائے تو اس عورت کو گھر میں بسانے کے لیے نئے نکاح کی ضرورت نہیں، البتہ یہ زنا کی تہمت ہے، اس کا بڑا گناہ ہونا آیت بالا سے ثابت ہوا۔

(۴) اگر شوہر اپنی بیوی کو عین زنا یا بوس و کنار کی حالت میں دیکھے اور اس کو یقین ہو کہ بیوی بھی راضی ہے تو اس کے لیے جائز ہے کہ بیوی کو اسی زنا کی حالت میں قتل کردے۔ اسی طرح زانی مرد کو بھی اسی حالت میں قتل کرنا جائز ہے۔ یہ قتل تعزیراً ہے، حداً نہیں، کیونکہ حد لگانا صرف حاکم کا حق ہے، نیز تعزیراً قتل کا جواز بھی اسی حالت کے ساتھ خاص اور اسی تک محدود ہے۔

قال في التنوير في باب التعزير: ويكون بالقتل كمن وجد رجلا مع امرأة لا تحل له إن كان يعلم أنه لا ينزجر بصياح وضرب بما دون السلاح وإلا لا وإن كانت المرأة مطاوعة قتلهما، ولو كان مع امرأته وهو يزني بها أو مع محرمه وهما مطاوعان قتلهما جميعاً مطلقاً.

(تنوير الأبصار مع ردالمحتار باب التعزير: ۴/۶۴)

باقی اس قتل کی وجہ سے کوئی ضمان لازم ہوگا یا نہیں؟ یہ اس پر موقوف ہے کہ اگر وہ شخص زنا کو

... على الشرع ... لأنه ... التعزير لأنه حق العبد

ولهذا يجوز فيه العفو ... الشرع ... عنه .

(هداية مع فتح القدير : ٥/٢٢٤)

(٦) اس جرم کے عوض میں خاندان کی کوئی لڑکی نکاح میں دینا ظلم اور سخت گناہ ہے، کیونکہ شریعت نے نکاح کا مقصد یہ بتایا ہے کہ میاں بیوی کے درمیان خوشگوار ازدواجی زندگی قائم ہو اور توالد و تناسل کے ذریعہ نسل انسانی کو بڑھایا جائے، اس کے لیے شریعت نے کفو، مہر، نفقہ وغیرہ بہت سی باتوں کا خیال رکھا، لڑکی کو عوض کے طور پر نکاح میں دینے سے یہ حقوق تلف ہوتے ہیں اس لیے ایسا فیصلہ شریعت کے خلاف ہے۔

(۷) مالی جرمانہ نصوص قرآنیہ، احادیث صریحہ اور اصول شرعیہ کے خلاف ہونے کی وجہ سے حرام ہے اس لیے جرگہ والوں کا یہ فیصلہ شریعت کے خلاف ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى : (لا بأخذ مال في المذهب) بحر وفيه عن البزازية : وقيل يجوز ومعناه أن يمسكه مدة لينزجر ثم يعيده له فإن أيس من توبته صرفه إلى ما يرى . وفي المجتبى : أنه كان في ابتداء الإسلام ثم نسخ .

(ردالمحتار : ٤/٦١) (والتفصيل في أحسن الفتاوى - ٥/٥٤٩)

(۸) اگر ایسے شخص کا انتقال ہو جائے یا کوئی اس کو قتل کر دے تو اس کی لاش کی بے حرمتی جائز نہیں بلکہ لازم ہے کہ اس کو عام مسلمانوں کی طرح کفن دیا جائے اور جنازہ پڑھ کر دفن کیا جائے، جرم ثابت ہونے کے بعد بغیر توبہ کے مرنے کی صورت میں علاقہ کا بڑا عالم یا دینی اعتبار سے مرتبہ رکھنے والا شخص اس کے جنازہ میں شریک نہ ہو تاکہ دوسروں کے لیے عبرت ہو۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالى : ويغسل ويكفن ويصلى عليه لقوله عليه الصلوة والسلام في ماعز : "اصنعوا به كما تصنعون بموتاكم ." (هداية مع فتح القدير ٥/٢٤٦ كتاب الحدود)

حیوان سے بدفعلی کی سزا:

اگر کسی نے بھینس سے بدفعلی کی تو اس کا یہ حکم ہے کہ اس شخص پر تعزیر ہے جس کی مقدار حاکم کی

رائے یہ ہے اور بچہ ذبح کر کے دفن کر دیا جاوے یہ مندوب ہے، یہ فعل کرنے والا شخص بچہ کی قیمت کا مالک کے لیے ضامن ہوگا، ذبح کر کے دفن کرنا ضروری اور واجب نہیں بلکہ صرف اس لیے مندوب ہے کہ تناول یا تذکرہ ختم کرنے سے یہ فعل کرنے والے سے عادۃً اکل ہو جائے اس لیے اگر ذبح نہ بھی کیا جائے تو کوئی حرج نہیں، اس کا گوشت اور دودھ وغیرہ بلا شبہ حلال ہے اس زمانہ میں ذبح کو ضروری اور واجب سمجھتے ہیں اور ایسے جانور کے گوشت اور دودھ کو حرام تصور کرتے ہیں، لہذا اس زمانہ میں ذبح کرنا مناسب نہیں، اس لیے کہ مندوب کو ضروری سمجھنا یا حلال کو حرام قرار دینا سخت گناہ ہے، ایسے موقع پر مندوب پر عمل کرنا بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔

والدليل على كل ما ادعينا ما في غمز الشامية تحت (قوله ولا عند وطء بهيمة الخ) وفي القنية برمز الحلواني الطاهري فرج البهيمة كمثلها لا غسل فيه بغير إنزال ويعزر وتذبح البهيمة وتحرق على وجه الاستحباب ولا يحرم اكل لحمها به اهـ وسيأتي في الحدود.

(رد المحتار: ١)

وقال في الحدود (قوله وتذبح ثم تحرق) اي لقطع امتداد التحدث به كلما رؤيت وليس بواجب كما في الهداية وغيرها وهذا إذا كانت مما لا يؤكل فإن كانت تؤكل جاز اكلها عنده وقالا تحرق ايضاً. (قوله الظاهر انه يطالب ندباً الخ) اي قولهم يطالب صاحبها ان يدفعها الى الواطيء ليس على طريق الجبر وعبارة النهر والظاهر انه يطالب على وجه الندب ولذا قال في المعانية كان لصاحبها أن يدفعها إليه بالقيمة الخ وعبارة البحر والظاهر انه لا يجبر على دفعها. (رد المحتار: ٣)

وقال في شرح التنوير وكل مباح يؤدي إليه (اي الى الوجوب) فمكروه. (رد المحتار: ١، اخر باب سجود التلاوة) وقال الطيبي في شرح المشكوة تحت حديث ابن مسعود رضي الله عنه في التزام الانصراف عن اليمين بعد الصلوة ان من اصر على مندوب وجعله

شریعت محمدیہ کا مقصد انسداد فعل ہوتا ہے۔ اضرار انسان نہیں ہوتا، اور نماز کے علاوہ کسی اور جرم کے ارتکاب میں استاذ کے لیے ڈنڈے کا استعمال جائز نہیں ہے کیونکہ ڈنڈے سے اس مجرم کو مارا جاتا ہے جس نے کسی کی مالی یا جانی نقصان کیا ہو۔

كذا في الشامي: قوله بيد أي ولا يجاوز الثلاث وكذلك المعلم ليس له أن يجاوزها قال عليه الصلوة والسلام لمرداس المعلم إياك أن تضرب فوق الثلاث فإنك إذا ضربت فوق الثلاث اقتص الله منك اهـ إسماعيل عن أحكام الصغار للأستروشني وظاهره أنه لا يضرب بالعصا في غير الصلاة أيضا قوله لا بخشبة أي عصا ومقتضى قوله بيد أن يراد بالخشبة ما هو الأعم منها ومن السوط أفاده ط قوله لحديث استدلال على الضرب المطلق وأما كونه لا بخشبة فلأن الضرب بها ورد في جناية المكلف اهـ. (رد المحتار: ٣٥٢/١)

نیز چونکہ طالب علم کو اس کے چہرے پر مارنا بھی جائز نہیں ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے چہرے پر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

كذا في المشكوة: عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا ضرب أحدكم فليتق الوجه.

(رواه أبو داود، ص ٣٦٦)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کسی کو (تعزیراً) مارے تو چہرہ پر نہ مارے۔

پھر استاذ کو سب طلباء کے ساتھ یکساں سلوک کرنا چاہیے غلطی کرنے پر بعض کی پٹائی کرنا اور بعض کو چھوڑ دینا بعض کے ساتھ سختی اور بعض کے ساتھ نرمی کرنا غرض ترجیحی سلوک کرنا جائز نہیں ہے۔

كذا في الهندية: أن يعدل بين الصبيان إذا تنازعوا وينصف بعضهم من بعض ولا يميل إلى الأولاد الأغنياء دون الفقراء.

(عالمگیری: ٣٧٩/٥)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ جب طلبہ کے درمیان جھگڑا ہو یا کہ تو منہ پر نہ مارے ہوئے انصاف سے کام لیں، ایسا نہ ہو کہ فقراء کے بچے اس کو نظر انداز کر کے اغنیاء کی اولاد کی طرف جھکاؤ کا برتاؤ ہو۔ بے رحمی اور ایسی سختی سے مارنا بھی جائز نہیں ہے، جس سے جسم میں زخم آ جاتا ہو یا نشانات پڑ جاتے ہوں کیونکہ اس کا قیامت کے دن حساب ہوگا۔

كذا في العالمگيرية: إنه لا يضرب الصبيان ضربا مبرحا ولا يجاوز الحد فإنه يحاسب يوم القيامة. (عالمگیری ۵/۳۷۹)

اور اگر ایسی سختی کے ساتھ پٹائی کی جس کی کوئی نظیر شریعت میں نہیں ہے تو ایسی تادیبی پٹائی کرنے میں بإجماع فقہاء استاذ پر ضمان آتا ہے۔

كذا في شرح النقاية: ولو ضربه ضربا شديدا لا يضرب مثله في التاديب يضمن بإجماع الفقهاء. (۲/۳۹۹)

نیز اگر طالب علم دوران کی تادیب خلاف شدید زخمی ہو کر بیمار پڑ گیا یا اس سے مر گیا تو ایسی صورت میں ضمان اور دیت آئے گی۔

كذا في فتح القدير: وكذا المعلم إذا أدب صبيا فمات منه يضمن عندنا والشافعي. (۵/۱۶۹)

اس دور میں جبکہ لوگ اسلام کی تعلیمات اور مدارس کے دشمن بنے ہیں اور لوگوں کی ذہنیت مغرب کے سانچے میں ڈھل چکی ہے، ان حالات میں ایک مسلمان کا اپنے بچہ یا بچی کو دینی تعلیم کے لیے بھیجنا اور بچہ یا بچی کو علم دین کے لیے وقف کرنا بڑی قابل قدر بات ہے۔

بایں وجہ مدرس یا منتظم کے بے جا ظلم و استبداد کرنے سے طالب علم اگر علم دین سے محروم ہو گیا تو اس کے وبال کا سہرا اس مدرس یا منتظم کے سر پر ہوگا جو بے جا ظلم و استبداد کرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام مدرسین کرام اور اساتذہ علوم دینیہ کو صحیح طریقہ تعلیم کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔"

دبر میں بدفعلی کی سزا:

یہ خبیث فعل زنا سے بھی بدتر ہے، شریعت کے علاوہ عقلاً اور طبعاً بھی یہ فعل بہت ہی خبیث ہے، اس خبیث فعل کی ابتداء حضرت لوط علیہ السلام کی قوم نے کی تھی، اس لیے لوگ اس خباثت کو لواطت اور اس کے فاعل خبیث کو لوطی کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہنا چاہیے اسے خبیث فعل اور خبیث

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ایسے خبیث شخص کا حال لکھ کر اس کی سزا دریافت کی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مشورہ لیا، حضرت علی، حضرت عمر، حضرت علی اور دوسرے سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بالاتفاق آگ میں جلا دینے کا مشورہ دیا، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی فیصلہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لکھا، انہوں نے اس حکم کے مطابق اس کو جلا دیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنے دور خلافت میں ایسے شخص کو جلا دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول اور اس کی تائید میں حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سن کر حد زنا کے تحت غیر محصن کو سو کوڑے لگوائے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رجم کروایا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محصن کو رجم کروایا اور غیر محصن کو سو کوڑے لگوائے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما صرف قتل کے راوی ہیں مگر آپ کے ہاں طریق قتل یہ ہے کہ کسی بہت بلند مقام سے سر کے بل الٹا گرا کر اس پر پتھر برسائے جائیں، اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ السلام کو جس عذاب سے ہلاک کیا اس کے ساتھ حتی الامکان مشابہت ہو جائے۔

یہ سب تفصیل ہدایہ، درایہ، نصب الرایہ اور محلی میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر سخت عذاب، حضور اکرم ﷺ، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے ہلاک کرنے کے مختلف طریقوں کے بیان اور ان کے مطابق حضرات خلفاء راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلوں کی بناء پر حضرات فقہاء رحمہم اللہ نے بھی اس خبیث فعل پر اسی قسم کی بہت ہی سخت سزائیں بیان فرمائی ہیں۔ ان سزاؤں میں سے جن میں جان سے مار دینے کا حکم ہے یہ شرط ہے کہ کم از کم دو بار یہ فعل کیا ہو۔

البتہ صاحبین رحمہما اللہ اس پر حد زنا کے قائل ہیں، اس لیے ان کے ہاں رجم کے لیے تکرار فعل شرط نہیں، ایک بار ارتکاب سے بھی رجم کیا جائے گا اور حد زنا کے سوا موت کی دوسری سزائیں میں شادی شدہ ہونا شرط نہیں، غیر شادی شدہ کے لیے بھی موت کی سزا ہے، اس لحاظ سے اہ۔

کے علاوہ سزاؤں کی نوعیت کے لحاظ سے بھی اس فعل خبیث کی سزا زنا کی سزا سے بھی بہت سخت ہے، حضرات فقہاء رحمہم اللہ کی بیان فرمودہ سزاؤں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ رجم، اگرچہ شادی شدہ نہ ہو۔

۲۔ حد زنا لگائی جائے یعنی شادی شدہ ہو تو بذریعہ رجم ہلاک کر دیا جائے ورنہ سو کوڑے لگائے جائیں۔

۳۔ آگ میں جلا دیا جائے۔

۴۔ اس پر دیوار وغیرہ گرا کر ہلاک کر دیا جائے۔

۵۔ کسی بلند مقام سے الٹا سر کے بل گرا کر اوپر سے پتھر برسائے جائیں حتی کہ مر جائیں۔

۶۔ قتل کیا جائے۔

۷۔ سخت سزا دے کر قید میں رکھا جائے حتی کہ توبہ کرے یا قید ہی میں مر جائے۔

۸۔ بہت بدبودار جگہ میں قید رکھا جائے۔

قال في شرح الملتقى: ولا يحد بوطء دبر وقالا إن فعل في الأجانب حد وإن في عبده أو أمته أو زوجته فلا حد إجماعا بل يعزر، قال في الدرر بنحو الإحراق بالنار وهدم الجدار والتنكيس من محل مرتفع باتباع الأحجار، وفي الحاوي والجلد أصح، وفي الفتح يعزر ويسجن حتى يموت أو يتوب ولو اعتاد اللواطة قتله الإمام سياسة (إلى قوله) وفي البحر حرمتها أشد من الزنا لحرمتها عقلا وشرعا وطبعا والزنا ليس بحرام طبعا وتزول حرمته بتزوج وشراء بخلافها وعدم الحد عنده لا لخفتها بل للتغليظ لأنه مطهر على قول، وفي الشامية (قوله حد) فهو محصنا كالزنا في الحكم فيحد جلدا إن لم يكن أحصن ورجما إن أحصن نهر. (قوله بنحو الإحراق الخ) متعلق بقوله يعزر وعبارة الدرر فعند أبي حنيفة رحمه الله تعالى تعزر بأمثال هذه الأمور واعترضه في النهر بأن الذي ذكره غيره تقييد قتله بما إذا اعتاد ذلك

(في قوله) قال السري و الظاهر انه يقتل في المرة الثانية لتحقق التكرار عليه اهـ وقال تحت (قوله و في الحاوي) وجمعه في النهر بحمله (رد المحتار: ۳/ ۱۶۶) (ماخوذ من احسن الفتاوی)

پنچایت کی طرف سے تعزیر:

اگر چہ پنچایت کسی جرم کی شرعی سزا دینے پر قادر نہیں، تاہم حسب قدرت تغییر المنکر فرض ہے، نیز تادیبی کاروائی کے لیے جرم پر شرعی نصاب شہادت ضروری نہیں، بلکہ قرائن قویہ کی بناء پر تادیب شرعاً جائز ہے، لہذا پنچایت تادیب و تنبیہ کے لیے تمام شہادات اور قرائن و آثار قویہ کی بناء پر بھی معاشرتی معاملہ کا فیصلہ کر سکتی ہے، اگر چہ شرعی نصاب شہادت موجود نہ ہو۔

بالغ اولاد کو تعزیر:

باپ کی طرف سے بالغ اولاد کو بھی تعزیر دی جا سکتی ہے، بلکہ والد نہ ہو تو دوسرے عصبات بھی تعزیر دے سکتے ہیں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: في الحضانة و الغلام إذا عقل واستغنى برأيه ليس للأب ضمه الى نفسه إلا إذا لم يكن مأمونا على نفسه فله ضمه لدفع فتنة أو عار وتأديبه إذا وقع منه شيء وفي الشامية تحت قوله (والغلام إذا عقل) الخ المراد الغلام البالغ لأن الكلام فيما بعد البلوغ وعبارة الزيلعي ثم الغلام إذا بلغ رشيداً فله ان ينفرد إلا أن يكون مفسداً مخوفا عليه الخ

علامہ حصکفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب لڑکا بالغ ہو جائے اب باپ اس کو اپنے ساتھ رکھنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا بلکہ اس کو اختیار ہوگا کہ کمائے، چاہے رہائش باپ کے ساتھ رکھے یا الگ رکھے، ہاں البتہ لڑکا اپنے نفس پر مامون نہ ہو فتنہ کا اندیشہ ہو تو باپ کو حق ہوگا فتنہ اور عار سے بچنے اور ادب سکھانے کے لیے اس کو اپنے گھر میں رکھے۔

(قوله فله ضمه) أي للأب ولاية ضمه إليه والظاهر أن الجد كذلك بل غيره من العصبات كالأخ والعم ولم أر من صرح بذلك ولعلهم اعتمدوا على أن الحاكم لا يمكنه من المعاصي وهذا في

زمانه لا غير وانه في التعزير لا يلزم ولاية منه لكل من يرى مسلما يعصيه من القارة ويقدر على حقيقة فإن دفع المنكر واجب على كل من قدر عليه لا سيما من يلحقه عاره وذلك أيضا من أعظم صلة الرحم والشرع أمر بهما ويمنع المنكر ما أمكن قال تعالى ﴿إن الله يأمر بالعدل والإحسان وإيتاء ذي القربى وينهى عن الفحشاء والمنكر والبغي يعظكم لعلكم تذكرون﴾ ثم رأيت في حاشية البحر للرملي ذكر ذلك بحثا أيضا الخ.

(رد المحتار: ٦/٧٩، ٦٠) (ماخوذ از احسن الفتاوی)

قصاص کے احکام:

قصاص کے لغوی معنی مماثلت کے ہیں مراد یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا اتنا ہی بدلہ لینا دوسرے کے لیے جائز ہے اس سے زیادتی کرنا جائز نہیں۔

کقوله تعالیٰ: ﴿فاعتدوا عليه بمثل ما اعتدى عليكم﴾

(۲: ۱۹۴)

اسی لیے اصطلاح شرع میں قصاص کہا جاتا ہے قتل کرنے زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو۔

قتل عمد کی تعریف:

قتل عمد یہ ہے کہ ارادہ کر کے کسی کو آہنی ہتھیار سے یا ایسی چیز سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہہ جائے قتل کیا جائے، قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینا ایسے ہی قتل کے جرم کے ساتھ مخصوص ہے۔

قانون قصاص:

﴿يا أيها الذين آمنوا كتب عليكم القصاص في القتلى الحر بالحر والعبد بالعبد والأنثى بالأنثى﴾ (سورة البقرة: ۱۷۸)

"اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین کے بارے میں (یعنی یہ) آزاد آدمی (قتل کیا جائے دوسرے) آزاد آدمی کے عوض میں اور اسی طرح غلام غلام کے عوض میں

اور عورت عورت کے عوض میں۔"

اس آیت کا حاصل یہ ہے کہ جس نے قتل کیا ہے اسی سے قصاص میں قتل کیا جائے گا عورت ہو یا غلام، قاتل عورت اور غلام کے بجائے بے گناہ مرد یا آزاد کو قتل کرنا جائز نہیں۔ (معارف القرآن)

قصاص کے قواعد و اصول:

۱۔ اگر وارث قاتل پر قادر نہیں تو حکومت پر لازم ہے قاتل کو پکڑ کر ولی مقتول کے حوالہ کرے۔

۲۔ اگر کسی ایک وارث نے قاتل کو قتل کر دیا تو بھی قصاص ادا ہو گیا، باقی وارثوں کو حق اعتراض نہیں، یعنی جبکہ کسی وارث نے معاف نہ کیا ہو معاف کرنے کی تفصیل آگے نمبر ۱۲، ۱۴ میں آ رہی ہے۔

۳۔ اگر وارثوں میں بعض چھوٹے ہوں اور بعض بڑے تو قتل عمد موجب قصاص میں بڑوں کو قصاص لینے کا حق ہے۔ چھوٹے وارثوں کے بلوغ کا انتظار نہیں کیا جائے گا۔

۴۔ اگر سب وارث چھوٹے ہوں یا مجنون و معتوہ ہوں تو کوئی اجنبی شخص قاتل کو قصاصاً قتل نہیں کر سکتا، بھائی اور چچا اگر وراثت سے محروم ہوں تو وہ بھی اجنبی کے حکم میں ہیں اور اس صورت میں حاکم قصاص لے گا۔

۵۔ قصاص لینے کا حق ان لوگوں کو ہے جن کو میت کے ترکہ سے حصہ ملتا ہے۔

۶۔ اولیاء میں مقتول کا والد موجود ہو تو بوقت اخذ قصاص اولیاء میں سے کسی دوسرے کا موجود ہونا ضروری نہیں اور اگر والد موجود نہ ہو تو سب اولیاء کا موجود ہونا ضروری ہے۔

۷۔ توکیل کی صورت میں بوقت قصاص موکل کا موجود ہونا ضروری ہے، ولی قصاص کسی کو وکیل بنا کر مجلس قصاص سے غائب ہو گیا تو قصاص لینا جائز نہیں۔

۸۔ قتل موجب دیت میں دیت ورثہ میں بقدر حصص تقسیم ہوگی۔

۹۔ قتل موجب دیت میں اگر وارثوں میں سے بعض چھوٹے ہوں تو بڑے کو پوری دیت لینا جائز نہیں، وہ صرف اپنا حصہ لے سکتا ہے۔

۱۰۔ اگر ولی مقتول نے کسی اجنبی کو حکم دیا اور اس حکم دینے پر گواہ موجود ہوں یا لوگوں میں علی الاعلان حکم دیا ہو تو ولی کی موجودگی میں قاتل کو قتل کر سکتا ہے۔

عن الصغير فلا يملك القود حتى يبلغ الصغير اجماعا زيلعي فليحفظ.

وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: (قوله خلافا لهما) فعندهما ليس لهم ذلك إلا ان يكون الشريك الكبير ابا للصغير نهاية و قاساه على ما إذا كان مشتركا بين كبيرين و احدهما غائب (قوله والاصل الخ) استدلال لقول الإمام قال في الهداية وله انه حق لا يتجزي لثبوته بسبب لا يتجزي وهو القرابة، احتمال العفو من الصغير منقطع اي في الحال فيثبت لكل واحد كملا كما في ولاية الانكاح بخلاف الكبيرين لان احتمال العفو من الغائب ثابت اهـ.

(ردالمحتار: ٥/٣٤٧)

قاتل کے رشتہ دار کو قتل کرنا:

اگر کسی نے کسی شخص کو ناحق قتل کر دیا اب وہ قاتل ہاتھ نہیں آ رہا ہے اس لیے اولیاء مقتول قاتل کے کسی رشتہ دار کو پکڑ کر قتل کر دیتے ہیں تو یہ شرعا بہت بڑا گناہ ہے، شرعاً یہ جائز نہیں کہ قاتل کے بدلہ میں کسی اور کو قتل کرے۔ قصداً ایسا کرنے کی صورت میں قصاصاً اس قاتل ثانی کو بھی قتل کیا جائے گا۔

کتاب الدیات والحدود

کسی کو خطاً غلطی سے قتل کر دے یا ہو جائے تو قصاص کے بجائے مقتول کے اولیاء دیت وصول کرنے کے حقدار ہوتے ہیں۔ یہ دیت قاتل کے عاقلہ پر واجب ہوتی ہے۔ اس کی تفصیلات ذکر کی جاتی ہیں:

دیت وعاقلہ کی تفصیل:

دیت کی تین صورتیں ہیں:

١۔ دس ہزار درہم چاندی یا اس کی قیمت، ایک درہم: ٣،٠٦٢ گرام، دس ہزار درہم: ٣٠،٦٢ کلوگرام۔

٢۔ ایک ہزار دینار سونا یا اس کی قیمت، ایک دینار: ٤،٣٧٤ گرام، ہزار دینار: ٤،٣٧٤

گذشتہ سے پیوستہ

۳ سو اونٹ یا ان کی قیمت، یہ اونٹ پانچ قسم کے ہوں گے:

(۱) بیس یک سالہ اونٹنیاں۔

(۲) بیس یک سالہ اونٹ۔

(۳) بیس دو سالہ اونٹنیاں۔

(۴) بیس تین سال کی اونٹنیاں۔

(۵) بیس چار سالہ اونٹنیاں۔

تعداد مذکور مرد کی دیت ہے، عورت کی دیت اس سے نصف ہے، اس میں اختلاف ہے کہ دیت کی ان انواع میں سے کسی ایک کی تعیین کا اختیار قاتل کو ہے یا قاضی کو؟ قول اول راجح معلوم ہوتا ہے، بعد از قول ثانی کے مطابق قاضی نے تعیین کردی تو جائز اور نافذ ہے۔

عاقلہ کی تفصیل:

اگر قاتل اہل دیوان سے ہو تو اس کے عاقلہ اہل دیوان ہیں: یعنی وہ عاقل، بالغ، مرد جن کے نام سرکاری دفتر میں اس لیے درج ہوں کہ وہ کسی خدمت کے عوض یا بوجہ ضرورت سرکاری خزانہ سے وظیفہ پا رہے ہوں، اس لیے ان کو اہل عطا بھی کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اہل دیوان کی وہ جماعت جس سے قاتل کا تعلق ہو، دیت وصول کرنے کی آئندہ تفصیل کے مطابق اگر یہ جماعت کافی نہ ہو تو اس سے اوپر کی جماعت کو شامل کیا جائے گا، پھر اس سے اوپر کی جماعت کو۔

اس دور میں سرکاری دفاتر میں عورتوں کی ملازمت عام ہے، بنظر تفقہ ان دیوانی عورتوں کو عاقلہ میں شمار کرنا چاہیے۔

عاقلہ کا مدار تناصر پر ہے، اس زمانہ میں تناصر کی کئی صورتیں ہیں، مثلاً سیاسی جماعتیں، اہل حرفت، صنعتکاروں، تاجروں اور مزدوروں وغیرہ کی تنظیمیں، لہٰذا اگر قاتل کسی سیاسی جماعت یا کسی تنظیم کا رکن ہوگا تو اس کی عاقلہ یہ جماعت یا تنظیم ہوگی۔

اگر قاتل اہل دیوان سے نہ ہو اور کسی تنظیم یا سیاسی جماعت کا رکن بھی نہ ہو تو اس کے عاقلہ اس کے عصبات ہیں اور ان پر وجوب دیت کی ترتیب الارث کی ہے، پہلے ابناء پھر آباء پھر بھائی، پھر بھتیجے پھر چچے، پھر چچازاد۔

قاتل سے بھی حصہ دیت وصول کیا جائے گا خواہ وہ اہلِ دیوان سے ہو یا نہ ہو۔

وقد اضطربت اقوال الفقہاء رحمہم اللہ تعالیٰ فی ذالک والاصح ما حررناہ۔

نابالغ، مجنون اور عورتیں اگرچہ اہل دیوان ہوں، ان پر دیت نہیں، اگرچہ قاتل ہوں۔

اگر قاتل کے عاقلہ نہ ہوں تو بیت المال سے تین سالوں میں دیت ادا کی جائے گی، بشرطیکہ قاتل مسلم ہو، اور اس کا کوئی وارث معروف نہ ہو، مثلاً لقیط ہو یا کوئی حربی اسلام لے آیا ہو، اگر قاتل ذمی ہو یا اس کا کوئی معروف وارث ہو خواہ کتنا ہی بعید ہو یا بوجہ رق یا کفر محروم ہی ہو تو دیت بیت المال میں نہیں بلکہ قاتل کے اپنے مال میں ہے، اسی طرح بیت المال میں دیت ہونے کی صورت میں اگر بیت المال موجود نہ ہو یا اس میں گنجائش نہ ہو تو دیت قاتل کے مال میں ہوگی جو تین سالوں میں وصول کی جائے گی۔

دیت وصول کرنے کا طریقہ:

دیت تین سال میں وصول کی جائے گی، ایک شخص سے ایک سال میں ۵۳۶ء۴ گرام سے زیادہ نہیں لیے جائیں گے۔

بچہ ماں کے نیچے دب کر مرگیا:

ایک عورت بچے کو ساتھ لے کر سوگئی، سوتے میں غیر شعوری طور پر اس کے پہلو کے نیچے دب گیا اور سانس بند ہو کر مرگیا تو اس کے احکام کی تفصیل یہ ہے کہ:

۱۔ ماں بے احتیاطی کی وجہ سے بہت سخت گناہ گار ہوئی اس پر توبہ واجب ہے۔

۲۔ کفارہ یعنی ایک مسلمان غلام کو آزاد کرنا، اس پر قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے، قمری ماہ کی پہلی تاریخ کو شروع کرے تو چاند کے حساب سے دو ماہ شمار ہوں گے ورنہ ساٹھ روزے پورے کرے۔

۳۔ ماں بچے کی میراث سے محروم ہے، دیت بھی بچے کی میراث میں داخل ہے۔

۴۔ اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہے۔

شادی کی تقریب میں فائرنگ:

سوال: شادی کی ایک تقریب میں کچھ لوگوں نے ہوائی فائرنگ کی، اتفاق سے ایک شخص کو

کوئی لگ گئی اور وہ مر گیا اس کا کیا حکم ہے؟ اس کی دیت واجب ہے یا نہیں، اگر پوری دیت کی جائے تو کتنی ہے؟ اور دوسرے یہ کہ اتفاقیہ ہو جانے تو گناہ ہے یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ دیت یا کفارہ قتل عمد کا حکم اس وقت ہے جبکہ جان بوجھ کر مارا ہو، اگر جان بوجھ کر نہیں مارا تو روپیہ لینا دینا جائز نہیں، شریعت کا کیا حکم ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قتل خطا ہے جس کے احکام یہ ہیں۔

۱۔ عاقلہ پر دیت۔

۲۔ قاتل پر کفارہ یعنی ایک مسلمان غلام آزاد کرنا اگر اس کی قدرت نہ ہو تو دو ماہ کے مسلسل روزے۔

۳۔ توبہ واستغفار۔

سوال میں مزاح کی مذکورہ صورت جائز ہے لیکن دوسرے کی تکلیف مزاح کی میں بچنا ضروری ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وموجبه اي موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطأ وما جرى مجراه الكفارة والدية على العاقلة والاثم دون اثم القتل إذ الكفارة تؤذن بالاثم لترك العزيمة.

(رد المحتار ۵/۳۴۲)

وقال في الشامية: لو مزح معه بمفادیرها ... كيف ما كان بشرط ... لئلا يكون ذريعة ... (رد المحتار: ۴/۴۷۶)

باقی اسلحہ کے ساتھ کھیلنا اور بے احتیاطی کے ساتھ چلانا یہ بھی گناہ ہے، جبکہ حدیث کی رو سے کسی مسلمان کی طرف اسلحہ سے اشارہ کرنا بھی ممنوع ہے، چہ جائیکہ اس طرح غلط استعمال کیا جائے جو کسی کی جان تلف ہونے کا سبب بنے اس لیے خوب خوب احتیاط کی ضرورت ہے۔

بس سے کچلنے کا حکم:

بس وغیرہ گاڑیوں کے تصادم سے کوئی شخص مارا جائے تو یہ قتل خطا شمار ہوگا، ڈرائیور پر کفارہ اور اس کے عاقلہ پر دیت واجب ہوگی، عاقلہ اور دیت کی تفصیل عنوان "دیت و عاقلہ کی تفصیل" کے تحت گزر چکی ہے۔

حدود وکفارہ سیئات ہیں:

حد شرعی مثلاً حد قذف، حد شرب خمر، حد زنا جاری ہونے کے بعد مرتکب جرم پر دوبارہ

جو خود اخروی ہے نہیں چھوٹ سکتا اس کے لئے توبہ واستغفار ضروری ہے۔

کسی کے ہاتھ سے بچہ گر کر مر گیا:

اگر کوئی شخص شفقت و پیار سے اپنے بچے سے کھیل رہا ہو کہ اچانک بچہ اس کے ہاتھ سے گر کر ہلاک ہو جائے تو شرعاً یہ قتل جاری مجریٰ خطا ہے اس کا حکم یہ ہے

۱۔ توبہ ۲۔ عاقلہ پر دیت

۳۔ کفارہ ۴۔ حرمان عن المیراث

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: والرابع ما جرى مجراه أي مجرى الخطأ (إلى قوله) وموجبه أي موجب هذا النوع من الفعل وهو الخطأ وما جرى مجراه الكفارة والدية على العاقلة والإثم دون إثم القتل إذ الكفارة تؤذن بالإثم لترك العزيمة

(ردالمحتار: ۵/ ۳۴۳)

وفي الهندية: وعن أبي القاسم في الوالدين إذا لم يتعاهدا الصبي حتى سقط من سطح ومات أو احترق بالنار لا شيء عليهما إلا التوبة والاستغفار واختيار الفقيه أبي الليث رحمه الله تعالى على أنه لا كفارة عليهما ولا على أحدهما إلا أن يسقط من يده والفتوى على ما اختاره أبو الليث رحمه الله تعالى كذا في الظهيرية.

(عالمگیریہ: ۶/ ۲۲۳)

فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ ماں باپ نے بچہ کا خیال نہیں رکھا یہاں تک وہ چھت سے گر کر مر گیا یا آگ میں جل گیا دونوں پر توبہ واستغفار لازم ہے اس سے زائد کچھ لازم نہیں۔ فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں مذکورہ صورتوں میں تو کفارہ لازم نہیں البتہ بے احتیاطی کی وجہ سے بچہ ہاتھ سے گر کر مر جائے تو کفارہ لازم ہوگا اور فتویٰ فقیہ ابو اللیث کے قول پر ہے۔

جماع موجب اسقاط کا حکم:

ایک شخص اپنی حاملہ بیوی سے جماع کرتا ہے جس سے حمل ساقط ہو جاتا ہے حالانکہ اس کو معلوم بھی ہے کہ اس سے حمل ساقط ہو جائے گا تو اس شخص پر کفارہ لازم ہوگا یا نہیں؟ حاملہ پر بھی

کہ وہ ہوگا یا نہیں؟ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر جماع بطریق معروف کیا تو اس پر ضمان نہیں اگر غیر معروف طریقے سے کیا اور زوجہ نے کوئی ایسی حرکت کی جو عموماً موجب اسقاط ہوتی ہے اور جنین اسقاط کی تو زوجہ کے عاقلہ پر ضمان غرہ واجب ہے جس کی مقدار یہ ہے:

۵۰۰ درہم: ۱۰۲ء ۱ کلو گرام چاندی ایک ماشہ کم۔

حاصل یہ کہ عاقلۂ زوجہ پر وجوب ضمان کے لیے تین شرائط ہیں:

۱۔ ایسی حرکت کی ہو جو عموماً مسقط ہو۔

۲۔ بدون اذن زوج ہو۔

۳۔ جنین اسقاط ہو۔

اور اگر زوج نے ایسی حرکت کی ہو جو عموماً مسقط ہوتی ہے تو اس کے عاقلہ پر ضمان غرہ ہے اور اس میں نیت اسقاط شرط نہیں۔

باقی بعض لوگ حالت حمل میں جماع کو ناجائز سمجھتے ہیں یہ خیال غلط ہے البتہ قصداً ایسا کوئی طریقہ اختیار کرنا درست نہیں جس سے حمل کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو یا کوئی ماہر ڈاکٹر عورت کے معائنے کے بعد جماع کو نقصان دہ قرار دے تب بھی اجتناب کیا جائے گا۔

عوام کو اجرائے حد کا اختیار نہیں:

جتنی حدود ہیں مثلاً حد زنا، حد سرقہ، شرب خمر وغیرہ اجرائے حدود کا اختیار امام یا اس کے نائب کو ہے عوام کو اس کا اختیار نہیں۔

قال الإمام الكاساني رحمه الله تعالى: وأما شرائط جواز إقامتها فمنها ما يعم الحدود كلها ومنها ما يخص البعض دون البعض أما الذي يعم الحدود كلها فهو الإمامة وهو أن يكون المقيم للحد هو الإمام أو من ولاه الإمام وهذا عندنا (وبعد سطر) وبيان ذلك أن ولاية إقامة الحد إنما ثبت للإمام لمصلحة العباد وهي صيانة أنفسهم وأموالهم وأعراضهم لأن القضاة يمتنعون من التعرض خوفا من إقامة الحد عليهم والمولى لا يساوي الإمام في هذا المعنى لأن ذلك يقف على الإمامة والإمام قادر على الإقامة لشوكته ومنعته وانقياد الرعية له

قهراً وجبراً ولا يخاف تبعة الجناة واتباعهم لانعدام المعارضة بينهم وبين الإمام وتهمة الميل والمحاباة والتواني عن الإقامة منتفية في حقه فيقيم على وجهها فيحصل الغرض المشروع له الولاية بيقين.

(بدائع الصنائع: ۵۷/۷) (ماخوذ از احسن الفتاویٰ: ۸/۵۵)

حدِ قذف معاف کرنے سے ساقط نہیں ہوتی:

اگر کسی شخص پر تہمت لگائی گئی بعد میں شہادت وغیرہ کے ذریعہ ثابت نہ ہو سکی تو تہمت لگانے والے کو حد لگائی جائے گی، یہ حد مقذوف (یعنی متہم شخص) کے معاف کرنے سے ساقط نہ ہوگی۔

اس سلسلہ میں ایک سوال وجواب احسن الفتاویٰ ۸/۵۵ سے کچھ تغیر کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے:

سوال: قرآن کریم کا حکم ہے کہ جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں ان کو اسی کوڑے مارو اور ان کی شہادت قبول نہ کرو، وہ خود ہی فاسق ہیں، اگر کوئی پاک مردوں پر تہمت لگائے پھر ثابت نہ کر سکے تو اس پر بھی حد جاری ہوگی؟ اس صورت میں مردوں کو عدالت میں فیصلہ دینے کا حق ہے؟ کیا یہ صحیح ہے کہ جب مقذوف عدالت میں آئے تو قاذف کو مجبور کیا جائے گا کہ الزام ثابت کرے اور ثابت نہ ہونے کی صورت میں اس پر حد جاری ہوگی اور عدالت میں آنے کے بعد نہ عدالت اس کو معاف کر سکتی ہے اور نہ خود صاحب معاملہ، تو کیا مالی تاوان پر معاملہ ختم ہو سکتا ہے، نہ توبہ کر کے اور نہ معافی مانگ کر سزا سے بچ سکتا ہے؟ بینوا توجروا

جواب: سوال میں مذکورہ تفصیل صحیح ہے، مردوں کو بھی حد قذف طلب کرنے کا حق ہے اور مقذوف یا عدالت کے معاف کرنے سے حد قذف ساقط نہیں ہوتی، البتہ عفو مقذوف کی صورت میں صاحب حق کی طرف سے عدم طلب کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی۔ عفو مقذوف صحیح نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بعد العفو بھی اس کو طلب حد کا اختیار ہے، یعنی ایک دفعہ معاف کرنے کے بعد دوبارہ حد قذف کا مطالبہ کرے تو شرعاً اس کو حق حاصل ہے۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: ولا ارث فيه خلافاً للشافعي ولا رجوع بعد اقرار ولا اعتياض اي اخذ عوض ولا صلح ولا عفو فيه وعنه نعم لو عفا المقذوف فلا حد لا لصحة العفو بل لترك الطلب حتى لو عاد وطلب حد شمني وقيد الاتمام الحد الا

محصورته. (ردالمحتار: ۴/۱۹۳)

ڈاکہ ڈالنے کی سزا:

ہر مسلمان کی جان و مال محترم ہے، اس کو باطل طریقہ پر کھانا ناجائز اور حرام ہے، دوسرے کا مال ناحق طور پر کھانے کی ایک صورت ڈاکہ زنی لوٹ مار بھی ہے، یہ انتہائی قبیح فعل اور سنگین جرم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

من انتهب نهبة مشهورة فليس منا. رواه ابو داؤد

(مشکوٰۃ: ص ۳۰۳)

یعنی جس نے دوسرے کی کوئی چیز لوٹ لی وہ ہم میں سے نہیں۔ (ترمذی)

وقوله عليه السلام: الا لا تظلموا الا لا يحل مال امرئ مسلم الا بطيب نفس منه. (مشكوة)

یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سنو ظلم مت کرو، سنو! کسی کا مال بغیر اس کی دلی رضامندی کے حلال نہیں۔ (بیہقی)

لیکن اگر کسی شخص یا جماعت نے یہ جسارت کر لی تو یہ گناہ اور حرام ہونے اور آخرت میں دردناک عذاب کے مستحق ہونے کے علاوہ دنیا میں بھی جس پر حد بھی جاری ہوگی، اس حد کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿إنما جزاء الذين يحاربون الله ورسوله ويسعون في الأرض فسادا أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض﴾

"یہی سزا ہے ان کی جو لڑتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف جانب سے کاٹ دیئے جائیں یا دور کر دیئے جائیں اس جگہ سے، یہ ان کی رسوائی ہے دنیا میں اور ان کے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ مگر جو لوگ قبل اس کے کہ تم ان کو گرفتار کرو توبہ کر لیں تو جان لو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ اپنی شہرۂ آفاق تفسیر

معارف القرآن میں لکھتے ہیں

یہاں پہلی بات قابل غور یہ ہے کہ اللہ و رسول ﷺ کے ساتھ محاربہ اور زمین میں فساد کا کیا مطلب ہے اور کون لوگ اس کے مصداق ہیں؟ لفظ "محاربہ" حرب سے ماخوذ ہے اور اس کے اصلی معنی سلب کرنے اور چھین لینے کے ہیں اور محاورات میں یہ لفظ سلم کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی امن و سلامتی کے ہیں تو معلوم ہوا کہ حرب کا مفہوم بدامنی پھیلانا ہے، اور ظاہر ہے کہ اکا دکا چوری یا قتل و غارت گری سے امن عامہ سلب نہیں ہوتا بلکہ یہ صورت جبھی ہوتی ہے جبکہ کوئی طاقتور جماعت رہزنی اور قتل و غارت گری پر کھڑی ہو جائے، اسی لیے حضرات فقہاء نے اس سزا کا مستحق صرف اس جماعت یا فرد کو قرار دیا ہے جو مسلح ہو کر عوام پر ڈاکے ڈالے اور حکومت کے قانون کو قوت کے ساتھ توڑنا چاہے جس کو دوسرے لفظوں میں ڈاکو یا باغی کہا جا سکتا ہے، عام انفرادی جرائم کرنے والے چور، گرہ کٹ وغیرہ اس میں داخل نہیں۔ (تفسیر مظہری)

دوسری بات یہاں یہ قابل غور ہے کہ اس آیت میں محاربہ کو اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے، حالانکہ ڈاکو یا بغاوت کرنے والے جو مقابلہ یا محاربہ کرتے ہیں وہ انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ کوئی طاقتور جماعت جب طاقت کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے قانون کو توڑنا چاہے تو اگرچہ ظاہر میں اس کا مقابلہ عوام اور انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کی جنگ حکومت کے ساتھ ہے اور اسلامی حکومت میں جب قانون اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا نافذ ہو تو یہ محاربہ بھی اللہ و رسول ﷺ ہی کے مقابلہ میں کہا جائے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلی آیت میں جس سزا کا ذکر ہے یہ ان ڈاکوؤں و باغیوں پر عائد ہوتی ہے جو اجتماعی قوت کے ساتھ حملہ کر کے امن عامہ کو برباد کریں اور قانون حکومت کو علانیہ توڑنے کی کوشش کریں، اور ظاہر ہے کہ اس کی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مال لوٹنے، آبرو پر حملہ کرنے سے لے کر قتل و خونریزی تک سب اس کے مفہوم میں شامل ہیں، اسی سے مقاتلہ اور محاربہ میں فرق معلوم ہو گیا کہ مقاتلہ تو خونریزی کی لڑائی کے لیے بولا جاتا ہے گو کوئی قتل ہو یا نہ ہو اور گو صرف مال بھی لوٹا جائے اور لفظ محاربہ طاقت کے ساتھ بدامنی پھیلانے اور امن کو سلب کرنے کے معنی میں ہے۔ اسی لیے یہ لفظ اجتماعی طاقت کے ساتھ عوام کی جان و مال و آبرو میں سے کسی چیز پر دست درازی کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جس کو رہزنی، ڈاکہ اور بغاوت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس جرم کی سزا قرآن کریم نے خود متعین فرمادی اور بطور حق اللہ یعنی سرکاری جرم کے نافذ کیا ہے جس کو اصطلاح شرع میں حد کہا جاتا ہے، اب دیکھئے کہ ڈاکہ اور رہزنی کی شرعی سزا کیا ہے؟ آیت مذکورہ میں رہزنی کی چار سزائیں مذکور ہیں

﴿ أن يقتلوا أو يصلبوا أو تقطع أيديهم وأرجلهم من خلاف أو ينفوا من الأرض ﴾

یعنی ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھایا جائے ان کے ہاتھ اور پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں یا ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

ان میں سے پہلی تین سزاؤں میں مبالغہ کا لفظ باب تفعیل سے استعمال فرمایا جو تکرار فعل اور شدت پر دلالت کرتا ہے اس میں صیغہ جمع استعمال فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ ان کا قتل یا سولی چڑھانا یا ہاتھ پاؤں کاٹنا عام سزاؤں کی طرح نہیں کہ جس فرد پر جرم ثابت ہو صرف اسی فرد پر سزا جاری کی جائے بلکہ یہ جرم جماعت میں سے ایک فرد سے بھی صادر ہو گیا تو پوری جماعت کو قتل یا سولی یا ہاتھ پاؤں کاٹنے کی سزا دی جائے گی۔

نیز اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ یہ قتل وصلب وغیرہ قصاص کے طور پر نہیں کہ اولیاء مقتول کے معاف کر دینے سے معاف ہو جائے بلکہ یہ حد شرعی بحیثیت حق اللہ کے نافذ کی گئی ہے جن لوگوں کو نقصان پہنچا ہے وہ معاف بھی کر دیں تو شرعاً سزا معاف نہ ہوگی۔ یہ دونوں حکم بصیغہ تفعیل ذکر کرنے سے مستفاد ہوئے۔ تفسیر مظہری وغیرہ

رہزنی کی یہ چار سزائیں حرف او کے ساتھ ذکر کی گئی ہیں، جو چند چیزوں میں اختیار دینے کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور تقسیم کار کے لیے بھی، اسی لیے فقہاء امت صحابہ وتابعین کی ایک جماعت حرف او کو تخییر کے لیے قرار دے کر اس طرف گئی ہے کہ ان چار سزاؤں میں امام وامیر کو شرعاً اختیار دیا گیا ہے کہ ڈاکوؤں کی قوت وشوکت اور جرائم کی شدت وقلت پر نظر کر کے ان کے حسب حال یہ چاروں سزائیں یا ان میں سے کوئی ایک جاری کرے۔

سعید بن مسیب، عطاء رضی اللہ عنہم، داؤد، حسن بصری، ضحاک، نخعی، مجاہد وغیرہ ائمہ رحمہم اللہ میں سے امام مالک رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ، شافعی، احمد بن حنبل رحمہم اللہ اور ایک جماعت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وتابعین رحمہم اللہ نے حرف او کو اس جگہ تقسیم کار کے معنی میں لے کر

آیت کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ رہزنوں اور رہزنی کے مختلف حالات پر مختلف سزائیں مقرر ہیں۔ اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بردہ اسلمی سے معاہدہ صلح کا فرمایا تھا مگر اس نے عہد شکنی کی اور کچھ لوگ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ طیبہ آرہے تھے ان پر ڈاکہ ڈالا اس واقعہ میں جبرئیل امین یہ حکم سزا لے کر نازل ہوئے کہ جس شخص نے کسی کو قتل بھی کیا اور مال بھی لوٹا اس کو سولی چڑھایا جائے اور جس نے صرف قتل کیا مال نہیں لوٹا اس کو قتل کیا جائے اور جس نے کوئی قتل نہیں کیا صرف مال لوٹا ہے اس کے ہاتھ پاؤں مختلف جانبوں سے کاٹ دیے جائیں اور جو ان میں سے مسلمان ہو جائے اس کا جرم معاف کر دیا جائے اور جس نے قتل و غارت گری کچھ نہیں کیا صرف لوگوں کو ڈرایا جس سے امن عامہ مخل ہو گیا اس کو جلا وطن کیا جائے، اگر ان لوگوں نے دارالاسلام کے کسی مسلمان یا غیر مسلم شہری کو قتل کیا ہے مگر مال نہیں لوٹا تو ان کی سزا ﴿ان یقتلوا﴾ یعنی ان سب کو قتل کر دیا جائے اگرچہ فعل قتل بلاواسطہ صرف بعض افراد سے صادر ہوا ہو اور اگر کسی کو قتل بھی کیا مال بھی لوٹا تو ان کی سزا ﴿یصلبوا﴾ ہے یعنی ان کو سولی چڑھا دیا جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ ان کو زندہ سولی پر لٹکا دیا جائے، پھر نیزہ وغیرہ سے پیٹ چاک کیا جائے اور اگر ان لوگوں نے صرف مال لوٹا ہے کسی کو قتل نہیں کیا تو ان کی سزا ﴿او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف﴾ ہے یعنی ان کے داہنے ہاتھ گٹوں پر سے اور بائیں پاؤں ٹخنے پر سے کاٹ دیے جائیں اور اس میں بھی یہ مال لوٹنے کا فعل بلاواسطہ اگرچہ بعض سے صادر ہوا ہو مگر سزا سب کے لیے ہوگی، کیونکہ کرنے والوں نے جو کچھ کیا ہے اپنے ساتھیوں کے تعاون و امداد کے بھروسہ پر کیا ہے اس لیے سب شریک جرم ہیں اور اگر ابھی تک قتل و غارت گری کا کوئی جرم ان سے صادر نہیں ہوا تھا کہ پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے تو ان کی سزا ﴿او ینفوا من الارض﴾ ہے یعنی ان کو زمین سے نکال دیا جائے۔

جلا وطنی کی صورتیں:

زمین سے نکالنے کا مفہوم ایک جماعت فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ ان کو دارالاسلام سے نکال دیا جائے، اور بعض کے نزدیک یہ ہے کہ جس مقام پر ڈاکہ ڈالا ہے وہاں سے نکال دیا جائے، حضرت فاروق اعظم نے اس قسم کے معاملات میں یہ فیصلہ فرمایا کہ اگر مجرم کو یہاں سے نکال کر دوسرے شہروں میں آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہاں کے لوگوں کو ستائے گا اس لیے ایسے مجرم کو

قید خانہ میں بند کر دیا جائے یہی اس کا زمین سے نکالنا ہے کہ زمین میں کہیں چل پھر نہیں سکتا۔ امام اعظم رحمہ اللہ نے بھی یہی اختیار فرمایا ہے یعنی جیل بھیج دیا جائے گا۔

ڈاکوؤں کی طرف سے عصمت دری کا حکم:

رہا یہ سوال کہ اس طرح کے مسلح حملوں میں آج کل عام طور پر صرف مال کی لوٹ کھسوٹ یا قتل و خون ریزی ہی پر اکتفا نہیں ہوتا، بلکہ عورتوں کی عصمت دری اور اغوا وغیرہ کے واقعات بھی پیش آتے ہیں اور قرآن مجید کا جملہ «یسعون فی الارض فسادا» جامع ہے تمام جرائم کو شامل ہیں تو وہ کس سزا کے مستحق ہوں گے، اس میں ظاہر یہی ہے کہ امام وقت کو اختیار ہوگا کہ ان چاروں سزاؤں میں سے جو ان کے مناسب حال دیکھے وہ جاری کرے اور بدکاری کا شرعی ثبوت بہم پہنچے تو حد زنا جاری کرے۔

اسی طرح اگر صورت یہ ہو کہ کسی کو قتل کیا نہ مال لوٹا مگر لوگوں کو زخمی کر دیا تو زخموں کے قصاص کا قانون نافذ کیا جائے گا۔ تفسیر مظہری

میں فرمایا: یعنی یہ سزائے شرعی جو دنیا میں ان پر جاری کی گئی ہے یہ تو دنیا کی رسوائی ہے اور سزا کا ایک نمونہ ہے اور آخرت کی سزا اس سے بھی سخت اور دیرپا ہے اس سے معلوم ہوا کہ دنیاوی سزاؤں حدود وقصاص یا تعزیرات سے بغیر توبہ کے آخرت کی سزا معاف نہیں ہوتی، ہاں سزا یافتہ شخص دل سے توبہ کر لے تو آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی۔

دوسری آیت میں ایک استثناء ذکر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ڈاکو اور باغی اگر حکومت کے گھیرے میں آنے اور ان پر قابو پانے سے پہلے پہلے جب کہ ان کی قوت و طاقت بحال ہے، اس حالت میں اگر توبہ کر کے رہزنی سے خود ہی باز آ جائیں تو ڈاکہ کی یہ حد شرعی ان سے ساقط ہو جائے گی، یہ استثناء عام قانون حدود سے مختلف ہے کیونکہ دوسرے جرائم چوری، زنا وغیرہ میں جرم کرنے اور قاضی کی عدالت میں جرم ثابت ہونے کے بعد اگر مجرم سچے دل سے توبہ بھی کر لے تو گو اس توبہ سے آخرت کی سزا معاف ہو جائے گی مگر دنیا میں حد شرعی معاف نہ ہوگی، جیسا کہ چند آیتوں کے بعد چوری کی سزا کے تحت میں اس کا تفصیلی بیان آئے گا۔

حکمت اس استثناء کی یہ ہے کہ ایک طرف ڈاکوؤں کی سزا میں یہ شدت اختیار کی گئی ہے کہ پوری جماعت میں کسی ایک سے بھی جرم کا صدور ہو تو سزا پوری جماعت کو دی جاتی ہے اس لیے دوسری

طرف اس استثناء کے ذریعہ معاملہ کو ہلکا کر دیا گیا کہ توبہ کر لیں تو سزائے دنیا بھی معاف ہو جائے اس کے علاوہ اس میں ایک سیاسی مصلحت بھی ہے کہ ایک طاقت ور جماعت پر ہر وقت قابو پانا آسان نہیں ہوتا اس لیے ان کے واسطے ترغیب کا دروازہ کھلا رکھا گیا کہ وہ توبہ کی طرف مائل ہو جائیں۔

نیز اس میں یہ بھی مصلحت ہے کہ قتل نفس ایک انتہائی سزا ہے، اس میں قانون اسلام کا رخ یہ ہے کہ اس کا وقوع کم سے کم ہو اور ڈاکہ کی صورت میں ایک جماعت کا قتل لازم آتا ہے اس لیے ترغیبی پہلو سے ان کو اصلاح کی دعوت بھی ساتھ ساتھ جاری رکھی گئی۔

ڈاکہ سے توبہ کا واقعہ:

اسی کا یہ اثر تھا کہ علی اسدی جو مدینہ طیبہ کے قرب میں ایک جتھہ جمع کر کے آنے جانے والوں پر ڈاکہ ڈالتا تھا، ایک روز قافلہ میں کسی قاری کی زبان سے یہ آیت اس کے کان میں پڑ گئی

﴿ يعبادي الذين اسرفوا على انفسهم لا تقنطوا من رحمة الله ﴾

قاری کے پاس پہنچے اور دوبارہ پڑھنے کی درخواست کی دوسری مرتبہ آیت سنتے ہی اپنی تلوار میان میں داخل کی اور رہزنی سے توبہ کر کے مدینہ طیبہ پہنچے اس وقت مدینہ پر مروان بن حکم حاکم تھے، حضرت ابو ہریرہ ان کا ہاتھ پکڑ کر امیر مدینہ کے پاس لے گئے اور قرآن کی آیت مذکور پڑھ کر فرمایا کہ آپ اس کو کوئی سزا نہیں دے سکتے۔

حکومت بھی ان کے فساد و رہزنی سے عاجز ہو رہی تھی سب کو خوشی ہوئی۔

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں حارثہ بن بدر بغاوت کر کے نکل گیا اور قتل و غارت گری کو پیشہ بنالیا، مگر پھر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی اور توبہ کر کے واپس آ گیا، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس پر حد شرعی جاری نہیں فرمائی۔

حقوق العباد ادا کرنا لازم ہیں:

یہاں یہ بات قابل یادداشت ہے کہ حد شرعی کے معاف ہو جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حقوق العباد جن کو اس نے ضائع کیا ہے وہ بھی معاف ہو جائیں گے بلکہ اگر کسی کا مال لیا ہے اور وہ موجود ہے تو اس کا واپس کرنا ضروری ہے اور کسی کو قتل کیا ہے یا زخمی کیا ہے تو اس کا قصاص اس پر لازم ہے، البتہ چونکہ قصاص حق العبد ہے تو اولیاء مقتول یا صاحب حق کے معاف کرنے سے معاف ہو جائے گا اور جب کوئی مالی نقصان کسی کو پہنچایا ہے اس کا ضمان ادا کرنا یا اس سے معاف

کرانا لازم ہے، امام اعظم رحمہ اللہ اور جمہور فقہا کا یہی مسلک ہے اور اگر غور کیا جائے تو یہ بات یوں بھی ظاہر ہے کہ حقوق العباد سے خلاصی حاصل کرنا خود توبہ کا ایک جزء ہے بدون اس کے توبہ ہی مکمل نہیں ہوتی، اس لیے کسی ڈاکو کو تائب اسی وقت مانا جائے گا، جب وہ حقوق العباد کو ادا یا معاف کرالے۔ (ماخوذ از معارف القرآن: ۱۱۹/۳)

وروی البخاري عن أنس بن مالك، أن رهطا من عرينة قدموا المدينة فأسلموا، فاجتووا المدينة أي استوخموها لأنها لم توافق مزاجهم فأمرهم صلى الله عليه وسلم أن يخرجوا إلى إبل الصدقة أي الزكاة فيشربوا من أبوالها وألبانها، ففعلوا، فلما صحوا، قتلوا الرعاة واستاقوا الإبل، فبعث رسول الله صلى الله عليه وسلم فأتي بهم، فقطع أيديهم وأرجلهم، وسمل أعينهم، أي فقأها ثم ألقوا في الحرة يستسقون فلا يسقون، حتى ماتوا، وفيهم نزلت آية الجزاء وهذا. (أخرجه البخاري في كتاب المحاربين: ١٧٥/٤)

امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے واقعہ نقل فرمایا ہے کہ قبیلہ عرینہ کے ایک وفد نے مدینہ الرسول ﷺ حاضر ہو کر اسلام قبول کیا لیکن ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی، ان کے پیٹ پھول گئے تو آپ ﷺ نے ان کو حکم فرمایا کہ مدینہ کے باہر جہاں صدقات کے اونٹ چرتے ہیں وہاں جا کر قیام کریں اور ان اونٹوں کے دودھ اور پیشاب استعمال کریں، انہوں نے ایسا ہی کیا جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے یہ حرکت کی کہ چرواہے کو قتل کر کے اونٹ ہنکا کر لے گئے، رسول اللہ ﷺ کو خبر ہونے کے بعد گرفتاری کے لیے قافلہ روانہ فرمایا، وہ جا کر ان مرتدوں کو گرفتار کر کے لے آئے، تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے جرم پر یہ سزا نافذ فرمائی کہ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے گئے اور ان کی آنکھیں نکال لی گئیں، پھر ان کو حرہ (یعنی گرم پتھروں) پر ڈال دیا گیا، وہ پانی مانگتے رہے لیکن ان کو پانی نہیں دیا گیا، یہاں تک کہ وہیں تڑپ تڑپ کر مر گئے، انہی کے بارے میں یہ آیت سزا نازل ہوئی۔ (بخاری)

چوری کی سزا:

چوری کرنا بھی عظیم گناہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ جب خواتین

ایمان پر بیعت کے لیے حاضر ہوا کریں جن عظیم گناہوں سے بچنے کا عہد لیتا ہے ان میں سے ایک "لا یسرقن" کہ وہ چوری نہیں کریں گی۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

حضرت میمونہ بنت سعد رضی اللہ عنہا نے سوال کیا "یا رسول اللہ (ﷺ) ہمیں چوری کا حکم بتائیں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے یہ جانتے ہوئے کہ یہ چوری کا مال ہے اسے کھایا یا پہنا تو وہ اس کی چوری کے گناہ میں شریک ہو گیا۔ (مجمع الفوائد)

چوری کرنے سے حقوق اللہ تلف ہوتے ہیں، اس سے معاشرہ کا امن تباہ ہوتا ہے، فساد پھیلتا ہے اس لیے شریعت مطہرہ نے اس پر دنیوی سزا بھی مقرر فرمایا، جسے اصطلاح میں حد سرقہ کہا جاتا ہے، جسے قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

قوله تعالى: ﴿ والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزاء بما كسبا نكالا من الله والله عزيز حكيم ﴾ (سورة المائدة: ۳۸)

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ "چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت کے ہاتھ کاٹ دو ان کے کردار کے بدلے میں اور اللہ زبردست حکمت والا ہے۔"

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ قرآنی احکام میں خطاب عام طور پر مردوں کو ہوتا ہے اور عورتیں بھی اس میں ضمناً شامل ہوتی ہیں، نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور جملہ احکام میں قرآن وسنت کا یہی اصول ہے، لیکن چوری کی سزا اور زنا کی سزا میں صرف مردوں کے ذکر پر اکتفا نہیں فرمایا، بلکہ دونوں صنفوں کو الگ الگ کرکے حکم دیا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ معاملہ حدود کا ہے جن میں ذرا سا بھی شبہ پڑ جائے تو ساقط ہوجاتی ہیں، اس لیے عورتوں کے لیے ضمنی خطاب پر کفایت نہیں فرمائی، بلکہ تصریح کے ساتھ ذکر فرمایا۔

دوسری بات اس جگہ قابل غور یہ ہے کہ لفظ سرقہ کا لغوی مفہوم اور شرعی تعریف کیا ہے؟

سرقہ کی شرعی تعریف:

قاموس میں ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا مال کسی محفوظ جگہ سے بغیر اس کی اجازت کے چھپ کر لے لے اس کو سرقہ کہتے ہیں، یہی اس کی شرعی تعریف ہے اور اس تعریف کی رو سے

سرقہ ثابت ہونے کے لیے یہ چیزیں ضروری ہیں

سرقہ کے احکام:

۱۔ اول یہ کہ وہ مال کسی فرد یا جماعت کی ذاتی ملکیت ہو، چرانے والے کی اس میں نہ ملکیت ہو نہ ملکیت کا شبہ ہو، سرکاری چیزیں یا ایسی چیزیں جن میں عوام کے حقوق مساوی ہیں، جیسے رفاہ عام کے ادارے اور ان کی اشیاء، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی شخص نے کوئی ایسی چیز لے لی جس میں اس کی ملکیت یا ملکیت کا شبہ ہے یا جس میں عوام کے حقوق مساوی ہیں تو حد سرقہ اس پر جاری نہ کی جائے گی، حاکم اپنی صوابدید کے موافق تعزیری سزا جاری کر سکتا ہے۔

۲۔ دوسری چیز تعریف سرقہ میں مال محفوظ ہونا ہے، یعنی مقفل مکان کے ذریعہ یا کسی نگران چوکیدار کے ذریعہ محفوظ ہونا، جو مال کسی محفوظ جگہ میں نہ ہو اس کو کوئی شخص اٹھالے تو وہ بھی حد سرقہ کا مستوجب نہیں ہوگا اور مال کے محفوظ ہونے میں شبہ بھی ہو جائے تو بھی حد ساقط ہو جائے گی، گناہ اور تعزیری سزا کا معاملہ جدا ہے۔

۳۔ تیسری شرط بلا اجازت ہونا ہے، جس مال کے لینے یا اٹھا کر استعمال کرنے کی کسی کو اجازت دے رکھی ہو وہ اس کو بالکل لے جائے تو حد سرقہ عائد نہیں ہوگی اور اجازت کا شبہ بھی پیدا ہو جائے تو حد ساقط ہو جائے گی۔

سرقہ اور ڈاکہ میں فرق:

۴۔ چوتھی شرط چھپا کر لینا ہے، کیونکہ دوسرے کا مال علانیہ لوٹا جائے تو وہ سرقہ نہیں بلکہ ڈاکہ ہے، جس کی سزا پہلے بیان ہو چکی ہے، جو خفیہ نہ ہو تو حد سرقہ اس پر جاری نہ ہوگی۔

ان تمام شرائط کی تفصیل سے [illegible] جاتا ہے وہ ایک عام [illegible] حد سرقہ [illegible] عائد نہیں ہے، بلکہ چوری کی صرف اس صورت پر یہ حد شرعی جاری ہوگی جس میں یہ تمام شرائط موجود ہوں۔

چوری پر تعزیر:

اس کے ساتھ ہی یہ بھی آپ معلوم کر چکے ہیں کہ جن صورتوں میں چوری کی حد شرعی ساقط ہو جاتی ہے تو یہ لازم نہیں ہے کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے، بلکہ حاکم وقت اپنی صوابدید کے مطابق

ان کو تعزیری سزا دے سکتا ہے، جو جسمانی، کوڑوں کی سزا بھی ہو سکتی ہے۔

اسی طرح یہ بھی نہ سمجھا جائے کہ جن صورتوں میں سرقہ کی کوئی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے حد شرعی جاری نہ ہو تو وہ شرعاً جائز وحلال ہے، کیونکہ اوپر بتلایا جا چکا ہے کہ یہاں گناہ اور عذاب آخرت کا ذکر نہیں، دنیوی سزا اور وہ بھی خاص قسم کی سزا کا ذکر ہے، ویسے کسی شخص کا مال بغیر اس کی خوش دلی کے کسی طرح بھی لے لیا جائے تو وہ حرام اور عذاب آخرت کا موجب ہے، جیسا کہ آیت قرآن کریم ﴿ لا تاكلوا اموالكم بينكم بالباطل ﴾ میں اس کی تصریح موجود ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ چوری میں جو الفاظ قرآن کریم کے آتے ہیں وہی زنا کی سزا میں ہیں، مگر چوری کے معاملہ میں مرد کا ذکر پہلے عورت کا بعد میں ہے اور زنا میں اس کے برعکس عورت کا ذکر پہلے کیا گیا، چوری کی سزا میں ارشاد ہے: ﴿ السارق والسارقة ﴾ اور زنا کی سزا میں فرمایا ہے: ﴿ الزانية والزاني ﴾ اس عکس کی حکمتیں حضرات مفسرین نے کئی لکھی ہیں، ان میں زیادہ دل کو لگنے والی بات یہ ہے کہ چوری کا جرم مرد کے لیے بہ نسبت عورت کے زیادہ شدید ہے، کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ نے کسب معاش کی وہ قوت بخشی ہے جو عورت کو حاصل نہیں، اس پر کسب معاش کے اتنے دروازے کھلے ہونے کے باوجود چوری کے ذلیل جرم میں مبتلا ہو، یہ اس کے جرم کو بڑھا دیتا ہے اور زنا کے معاملہ میں عورت کو حق تعالیٰ طبعی حیا وشرم کے ساتھ ایسا ماحول بخشا ہے کہ ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے اس بے حیائی پر اترنا اس کے لیے نہایت شدید جرم ہے، اس لیے چوری میں مرد کا ذکر مقدم ہے اور زنا میں عورت کا۔

آیت مذکورہ کے الفاظ میں چوری کی شرعی سزا بیان کرنے کے بعد دو جملے ارشاد فرمائے ہیں ایک ﴿ جزاء بما كسبا ﴾ یعنی سزا بدلہ ہے ان کی بدکرداری کا، دوسرا جملہ فرمایا ﴿ نكالا من الله ﴾ اس میں دو لفظ ہیں نکال اور من اللہ، لفظ نکال کے معنی عربی لغت میں ایسی سزا کے ہیں جس کو دیکھ کر دوسروں کو بھی سبق ملے اور اقدام جرم سے باز آ جائیں، اس لیے نکال کا ترجمہ ہمارے محاورہ کے موافق عبرت خیز سزا کا ہو گیا، اس میں اشارہ ہے کہ ہاتھ کاٹنے کی سخت سزا خاص حکمت پر مبنی ہے کہ ایک پر سزا جاری ہو جائے تو سب کے سب کانپ اٹھیں اور اس جرم قبیح کا انسداد ہو جائے، دوسرا لفظ من اللہ کا بڑھا کر ایک اہم مضمون کی طرف اشارہ فرمایا جو یہ ہے کہ چوری کے جرم کی دو حیثیتیں ہیں، ایک یہ کہ اس نے کسی دوسرے انسان کا مال بغیر حق کے لے لیا، جس سے اس پر ظلم

ہوا اور سزا یہ کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے قانون کی خلاف ورزی کی۔ پہلی حیثیت سے یہ سزا مظلوم کا حق ہے اور اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس کا حق ہے اگر وہ سزا کو معاف کر دے تو معاف ہو جائے گی جیسا قصاص کے تمام مسائل میں یہی معمول ہے۔ دوسری حیثیت سے یہ سزا حق اللہ کی خلاف ورزی کرنے کی ہے اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جس شخص کی چوری کی ہے اگر وہ معاف بھی کر دے تو بھی معاف نہیں، جب تک خود اللہ تعالیٰ معاف نہ فرما دیں، جس کو اصطلاح شرع میں حد یا حدود کہا جاتا ہے۔ لفظ من اللہ سے اس دوسری حیثیت کو متعین کر کے اس طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ سزا حد ہے قصاص نہیں ہے، یعنی سرکاری جرم کی حیثیت سے یہ سزا دی گئی ہے، اس لیے جس کی چوری کی ہے اس کے معاف کرنے سے بھی سزا ساقط نہیں ہوگی۔

آخر آیت میں ﴿ واللہ عزیز حکیم ﴾ فرما کر اس شبہ کا جواب دے دیا جو آج کل عام طور پر زبان زد ہے کہ یہ سزا بڑی سخت ہے اور بعض گستاخ یا ناواقف تو یوں کہنے سے بھی نہیں جھجکتے کہ یہ سزا وحشیانہ ہے نعوذ باللہ منہ، اشارہ اس کی طرف فرما دیا کہ اس سخت سزا کی تجویز محض اللہ تعالیٰ کے قوی و زبردست ہونے کا نتیجہ نہیں، بلکہ ان کے حکیم ہونے پر بھی مبنی ہے جن شرعی سزاؤں کو آج کل کے عقلاء یورپ سخت اور وحشیانہ کہتے ہیں ان کی حکمت اور ضرورت اور فوائد کی بحث انہی آیات کی تفسیر کے بعد مفصل آئے گی۔

دوسری آیت میں ارشاد فرمایا

﴿ فمن تاب من بعد ظلمه واصلح فان الله يتوب عليه ان الله غفور رحيم ﴾

یعنی جو شخص اپنی بدکرداری اور چوری سے باز آ گیا اور اپنے عمل کی اصلاح کر لی تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما دیں گے کیونکہ اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

معافی میں بنیادی فرق:

ڈاکہ زنی کی شرعی سزا جس کا بیان چند آیات پہلے آیا ہے اس میں بھی معافی کا ذکر ہے اور چوری کی سزا کے بعد بھی معافی کا ذکر ہے، لیکن دونوں جگہ کی معافی کے بیان میں ایک خاص فرق ہے اور اسی فرق کی بناء پر دونوں سزاؤں میں معافی کا مفہوم فقہاء کے نزدیک مختلف ہے، ڈاکہ زنی کی سزا میں تو حق تعالیٰ نے بطور استثناء کے ذکر فرمایا:

﴿ إلا الذين تابوا من قبل أن تقدروا عليهم ﴾
جس کا حاصل یہ ہے کہ ڈاکہ زنی کی جو شرعی سزا آیت میں مذکور ہے، اس سے یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ ڈاکوؤں پر حکومت کا قابو چلنے اور گرفتار ہونے سے پہلے جو توبہ کر لے اس کو یہ سزائے شرعی معاف کر دی جائے گی اور چوری کی سزا کے بعد جو معافی کا ذکر ہے اس میں اس سزائے دنیوی سے استثناء نہیں، بلکہ آخرت کے اعتبار سے ان کی توبہ مقبول ہونے کا بیان ہے، جس کی طرف ﴿فإن الله يتوب عليه﴾ میں اشارہ موجود ہے کہ حکام وقت اس توبہ کی وجہ سے شرعی سزا نہ چھوڑیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے جرم کو معاف فرما کر آخرت کی سزا سے نجات دیں گے، اسی لیے حضرات فقہاء تقریباً اس پر متفق ہیں کہ ڈاکو اگر گرفتار ہونے سے پہلے توبہ کر لیں تو ڈاکہ کی شرعی سزا ان پر جاری نہ ہو گی مگر چور اگر چوری کرنے کے بعد خواہ گرفتاری سے پہلے یا بعد میں چوری سے توبہ کر لے تو حد سرقہ جو دنیوی سزا ہے وہ معاف نہ ہو گی، گناہ کی معافی ہو کر آخرت کے عذاب سے نجات پا جانا اس کے منافی نہیں۔ (ماخوذ از معارف القرآن: ۱۲۹/۳)

نصاب سرقہ:

فقہاء احناف نے کہا ہے کہ مال کی وہ مقدار جس کے چرانے سے چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا وہ دس درہم چاندی یا ایک دینار ہوتا ہے۔

دس درہم: ۳۰۶۱۸ء، ایک دینار: ۸۶۔۴ گرام سونا

اگر کوئی بد بخت چور اتنا یا اس سے زائد قیمت کی کوئی چیز چرائے، گرفتار ہونے پر جرم ثابت ہونے کی صورت میں اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔

ولإقامة الحد على السارق شرائط منها أن يكون المسروق ذاقدر وقيمة . وقد اعتبره الفقهاء بما قيمته دينار، أو عشرة دراهم، وما دون ذلك تافه وحقير، فقد روي عن عائشة رضي الله عنها أنها قالت : لم تكن يد السارق تقطع على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم في الشي التافه .

(أخرجه ابن أبي شيبة وانظر نصب الراية : ۳۶۱/۳)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں معمولی چیز چرانے پر

ہاتھ کاٹنے کی سزا نہیں دی جاتی تھی، اگرچہ وہ بھی بڑا گناہ ہے۔

وروى البخاري عن عائشة أنها قالت: لم تكن تقطع يد السارق على عهد رسول الله ﷺ في أدنى من ثمن مجن حجفة أو ترس، كل واحد منهما ذو ثمن. (أخرجه البخاري: ۲ : ۱۷۳)

وقال العلامة المرغيناني رحمه الله: وإذا سرق العاقل البالغ عشرة دراهم أو ما يبلغ قيمته عشرة دراهم مضروبة من حرز لا شبهة فيه وجب عليه القطع. (هداية: ۲ : ۵۴۴)

صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب عاقل بالغ شخص دس درہم یا اس کی قیمت کی کوئی چیز محفوظ جگہ سے چرائے تو اس پر ہاتھ کاٹنے کی سزا نافذ ہوگی۔

شراب نوشی کی سزا:

اللہ تعالیٰ کی عظمت کا قائل ہو کر توحید و رسالت کا اقرار کرتے ہوئے احکام شریعت کی پابندی کرنا یہ شرعاً مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کا ہر بندے سے اس کا مطالبہ ہے، اس کے لیے عقل ہوش وحواس کا قائم رہنا نہایت ضروری ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کے استعمال کو حرام قرار دیا ہے جو عقل انسانی کو زائل کردے، جیسے شراب، بھنگ، چرس وغیرہ، ارشاد فرمایا:

"كل مسكر حرام."

یعنی ہر نشہ آور چیز کا استعمال حرام ہے۔

اسی طرح شراب نوشی پر خاص وعیدیں بھی بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہیں۔

كقوله عليه السلام: من شرب الخمر في الدنيا فمات وهو يدمنها لم يتب لم يشربها في الآخرة. رواه مسلم (مشكوة: ۲/۳۱۷)

یعنی جو شخص دنیا میں شراب پئے گا اس کو آخرت کی (پاکیزہ) شراب سے محروم کردیا جائے گا۔ (مسلم)

وقوله عليه السلام: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاثة قد حرم الله عليهم الجنة: مدمن الخمر، والعاق، والديوث الذي يقر السوء على أهله.

حضرت رسالت مآب ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے لوگوں پر جنت حرام فرما دی ہے

(۱) شراب کا عادی (۲) والدین کی نافرمانی کرنے والا

(۳) دیوث یعنی وہ شخص جو اپنے گھر والوں (ماں، بہن، بیٹی، بیوی وغیرہ) کو دوسرے غیر مردوں کے ساتھ بری حالت میں دیکھے اور برداشت کر جائے۔ (مسند احمد، نسائی)

شراب نوشی پر اخروی سزا کے علاوہ دنیا میں بھی حد جاری ہوتی ہے۔

جو شخص شراب پیتا ہوا پکڑا جائے اور اس وقت بھی اس کے منہ میں شراب کی بو موجود ہے، اب وہ خود شراب نوشی کا اقرار کرے یا دو گواہ اس پر گواہی دیں اس پر حد لگائی جائے گی اسی کوڑے۔

قال العلامة المرغيناني رحمه الله: ومن شرب الخمر فأخذ وريحها موجودة أو جاؤا به سكران فشهد الشهود عليه بذلك فعليه الحد، وكذلك إذا أقر وريحها موجودة.

(هداية شرح البداية: ٢/٥٠٥)

وفي الموطا: أن الذي أشار على عمر بجلد الشارب ثمانين جلدة هو علي بن أبي طالب فقد روى مالك بسنده عن ثور الديلي، أن عمر بن خطاب استشار في الخمر يشربها الرجل.

فقال له علي رضي الله عنه: نرى أن نجلده ثمانين، فإنه إذا شرب سكر، وإذا سكر هذى، أي تخلط في كلامه كالمجنون، وإذا هذى افترى، أي كذب وقذف فجلد عمر في الخمر ثمانين.

(أخرجه مالك في الموطا: ٢/٢٤٢ في كتاب الأشربة)

موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ شراب نوشی کی سزا میں اسی کوڑے مارے جائیں کیونکہ جو شخص شراب پیے گا ضرور بہکی بات بکے گا اور اس میں کسی پر جھوٹی تہمت بھی رکھے گا اور حد قذف کی مقدار اسی کوڑے ہیں، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شراب نوشی پر اسی کوڑے مارے یہی شرعی قانون بن گیا۔

قال في ملتقى الأبحر: ومن شرب خمرا ولو قطرة واحدة فأخذ

وإن وجد ريحها أي الخمر في فمه أو جيء به سكران، ولو من نبيذ ونحوه من المسكرات، وشهد بذلك رجلان، أو أقر - أي اعترف - به السكران، حد إذا صحا ثمانين سوطا للحر، وأربعين للعبد، مفرق على بدنه. (ملتقى الأبحر للحلبي: ١/٣٣٩)

کتاب متفرقات

اپریل فول (یکم اپریل کو دھوکہ دہی کرنا) کا حکم:

یہ نصاریٰ کا طریقہ ہے، اسلامی طریقہ نہیں ہے، جھوٹ بولنا حرام ہے، حدیث شریف میں ہے:

ويل للذي يحدث فيكذب ليضحك به القوم ويل له ويل له.

(أبو داؤد، ٢/٣٣٣)

اس آدمی کے لیے ہلاکت ہے جو لوگوں کو ہنسانے کے لیے جھوٹ بولتا ہے اور حدیث میں ہے:

لا يؤمن العبد الإيمان كله حتى يترك الكذب في المزاحة والمراء وإن كان صادقا. (مسند أحمد)

کوئی بندہ پورے پورے ایمان کا حامل نہیں ہوگا جب تک وہ جھوٹ کو بالکل ترک نہ کردے، خواہ ہنسی مذاق میں ہو خواہ لڑائی جھگڑے میں (تو وہ صرف انداز جھوٹ کا ہو اگرچہ واقع میں سچ ہو) اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ جھوٹ بولنا بڑی خیانت ہے کیونکہ آدمی اعتماد اور لوگوں کا امین ہے اس کو خائن بنا جاتا ہے، جھوٹ بولنا امانت کے منافی ہے، حدیث میں ہے:

كبرت خيانة أن تحدث أخاك حديثا هو لك مصدق وأنت له كاذب. (أبو داؤد شريف)

یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات اس طرح کہو کہ وہ تمہیں سچا جان رہا ہو حالانکہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ٢/٢٥١)

اس جھوٹ کی وجہ سے دوسروں کا بڑا نقصان بھی ہوتا ہے ان کو ایذا اور تکلیف پہنچتی ہے جبکہ

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "کامل مسلمان وہی ہے جس کے ہاتھ اور زبان کی ایذا رسانی سے دوسرے مسلمان محفوظ رہے۔" لہٰذا اپریل فول کے نام بھی جھوٹ بولنا حرام اس سے اجتناب کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔

جانگیہ پہننے کا مسئلہ

مرد کا ستر (جس کا چھپانا ضروری ہے) ناف سے گھٹنے تک ہے بہ نماز اور خارج نماز ناف سے گھٹنے تک بدن چھپانا ضروری وفرض ہے، اس میں سے کوئی بھی حصہ عذر شرعی کے بغیر کھلا رکھنا جائز نہیں ہے، موجب گناہ ہے (البتہ گھٹنے اور شرمگاہ کے کشف کا گناہ برابر نہیں ہے) ستر کے متعلق قرآن شریف میں ہے:

﴿یا بنی آدم قد أنزلنا علیکم لباسا یواری سوآتکم وریشا﴾

(سورۃ الأعراف: ٢٦)

یعنی اے اولاد آدم! ہم نے تمہارے لیے لباس بنایا ہے جو تمہارے ستر کو چھپاتا ہے اور باعث زینت بھی ہے۔

اس کی تفصیل حدیث شریف اور کتب فقہ کے حوالے سے پہلے کتاب اللباس میں گزر چکی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے، مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے۔ دوسری حدیث میں ہے:

الرکبۃ من العورۃ۔

گھٹنا بھی داخل ستر ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے اور گھٹنا ستر میں داخل ہے۔ (یعنی گھٹنا چھپانا بھی ضروری ہے) (١/٦١، ٢٤٨) ایسا جانگیہ (نصف پاجامہ) پہننے کی شرعاً اجازت نہیں ہے جس میں گھٹنے کھلے رہیں۔

آپ کی سہولت اور مزید اطمینان کے لیے ہند کے مفتی اعظم حضرت مولانا محمد کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ کی مشہور کتاب "تعلیم الاسلام" کی عبارت یہاں نقل کی جاتی ہے:

سوال: ستر چھپانے سے کیا مراد ہے؟

جواب: مرد کو ناف سے گھٹنے تک اپنا بدن چھپانا فرض ہے ایسا فرض ہے کہ نماز کے اندر بھی فرض ہے اور نماز کے باہر بھی فرض ہے۔ (٣/٤٠)

خطرناک مرض:

جو کچھ پہننا ناجائز ہونا مردوں کے لیے بیان ہوا، بچوں کی عمر سات سال ہو جانے کے بعد ان کے لیے بھی ستر کو چھپانا ضروری ہے، بلکہ بعض فقہاء سے چھ سال کا قول بھی منقول ہے۔ اس دور میں اس مسئلہ پر بہت غفلت پائی جا رہی ہے، مردوں اور بچوں کا رونا تو رو ہی رہے تھے، بعض افسوس صد افسوس مسلمان بچیاں بھی اس مرض میں مبتلا ہو گئی ہیں۔ نیم عریاں لباس، آدھی آستین کی قمیص، چوڑی میں بازاروں اور پارکوں میں نکل جاتی ہیں، والدین اس بے غیرتی کو کیسے برداشت کرتے ہیں؟ ہائے ہائے! ایک تو مسلمانوں کا وہ دور تھا کوئی غیر مرد کسی کی ماں بہن کی طرف غلط نگاہ اٹھا کر دیکھے تو اس پر خون کی ندیاں بہہ جاتی تھیں، اب سگی ماں باپ، بھائی، چچا، اپنے گھر کی خواتین کو لے کر حسن کی نمائش کے لیے ہوٹلوں اور پارکوں میں گھوم رہے ہیں۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

وباء زدہ آبادی کو چھوڑنے کا حکم:

وبائی اور طاعونی جگہ سے اس خیال سے اور اپنے عقیدہ سے بھاگنا کہ بیماری اور موت سے ہم بچ جائیں گے ورنہ بیماری میں پھنس کر مر جائیں گے ناجائز اور سخت گناہ کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿الم تر الی الذین خرجوا من دیارھم وھم الوف حذر الموت﴾ (سورۃ البقرۃ: پ ۲)

کیا ان لوگوں کو آپ ﷺ نے نہیں دیکھا (کیا آپ ﷺ کو ان کے حال سے واقف نہیں ہیں؟) جو موت سے بچنے کے لیے اپنے مکانوں سے نکل گئے تھے اور وہ لوگ (تعداد میں) ہزاروں تھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مر جاؤ (تو مر گئے) پھر ان کو زندہ کیا۔ (سورۃ بقرۃ)

مذکورہ آیت کی تفسیر میں ہے کہ اگلی امت کی ایک بستی میں وبا پھیلی تو ہزاروں (بعد ایت ستر ہزار) کی تعداد میں بھاگ گئے اور سمجھے کہ ہم موت سے نجات پا گئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے برے عقیدہ کی سزا دی کہ ایک دم سب مر گئے، کوئی دفن کرنے کے لیے بھی باقی نہ رہا، پھر ایک مدت کے بعد ایک نبی وہاں پہنچے، یہ خوفناک منظر دیکھ کر دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو عبرت دینے

کے لیے زندہ رہا، اب ان کو یقین ہوا کہ موت سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔

[تفسیر مظہری [illegible]]

واقعی موت اپنے وقت پر آ کر رہتی ہے اور اللہ کے حکم سے ہو کر رہتی ہے اور وقت آنے پر ٹال نہیں ٹل سکتی، یہ حکم خداوندی ہے

﴿أَيْنَمَا تَكُونُوا يُدْرِكْكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُشَيَّدَةٍ﴾

جہاں کہیں تم ہو گے وہاں تم کو موت آ پکڑے گی، چاہے تم مضبوط قلعوں میں کیوں نہ ہو۔

[illegible]

﴿قُلْ إِنَّ الْمَوْتَ الَّذِي تَفِرُّونَ مِنْهُ فَإِنَّهُ مُلَاقِيكُمْ﴾

(آپ ﷺ فرما دیجئے) کہ بے شک جس موت سے تم بھاگتے ہو وہ تم کو آ کر رہے گی۔

[illegible]

بے شک اللہ کی مقرر کی ہوئی مدت جب آ جائے گی تو تاخیر نہ ہو گی۔ (سورۂ نوح)

زمانہ جاہلیت کا عقیدہ تھا کہ جو کوئی بیمار کے پاس بیٹھے اور اس کے ساتھ کھائے تو اس کی بیماری اس کو لگ جاتی ہے، لہٰذا آنحضرت ﷺ نے فرمایا "لا عدوی" یعنی (بلا تقدیر یا حکم خداوندی کے) ایک کی بیماری دوسرے کو نہیں لگتی۔

ایک مرتبہ ایک اعرابی نے عرض کیا کہ تندرست اونٹوں میں خارشی اونٹ مل جاتا ہے تو سب خارشی ہو جاتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا، پہلے اونٹ کو کس نے خارشی بنایا؟ جواب کا مطلب یہ کہ اللہ نے تو پھر دوسرے اونٹوں کے لیے ایسا کیوں نہیں سمجھتے؟

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑ کر اپنے کھانے کے برتن میں شریک کر لیا، مطلب یہ ہے کہ اللہ کے حکم اور تقدیر الٰہی کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا، مگر عقیدہ کی حفاظت کے لیے شریعت نے تعلیم دی ہے کہ وبائی جگہوں میں بلا ضرورت نہ جائے اور نہ وہاں سے بھاگے کیونکہ اگر وہاں جا کر بیماری میں مبتلا ہو جائے گا تو طبیعت کے کمزور اور ضعیف العقیدہ سمجھیں گے کہ یہاں جانے سے یہ ہوا۔ نیز بھاگنے والا سمجھے گا کہ بھاگنے سے بچ گیا ورنہ ضرور مبتلا ہو جاتا اور بھاگنے والا دوسروں کے لیے بھی زیادہ پریشانی اور کم ہمتی کا باعث بنتا ہے، انہی بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کے پیش نظر آپ ﷺ نے امت کو ہدایت فرمائی

إذا سمعتم بالطاعون بأرض فلا تدخلوها وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا منها

جب تم سنو کہ کسی جگہ پر طاعون پھیلا ہے تو وہاں مت جاؤ اور جہاں تم ہو وہاں پر پھیل جائے تو بھاگنے کے ارادے سے وہاں سے مت نکلو۔

(بخاری شریف پارہ ۲۳، ۸۵۳/۲، مسلم شریف ۲۲۹/۲)

اور فرمایا کہ بیمار اونٹ کو تندرست اونٹ کے ساتھ مت رکھو اور ہدایت فرمائی کہ جذام سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے، کہ عقیدہ کی حفاظت ضروری ہے۔ آج کل حکیم وغیرہ بعض امراض (ٹی بی، خارش، جذام، طاعون، انفلوئنزا وغیرہ) کو متعدی مانتے ہیں اور اس کے جراثیم ثابت کرتے ہیں، ہمیں اس کی تردید کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر ان کو بھی ماننا چاہیے کہ بیماری از خود متعدی اور مؤثر نہیں ہے بلکہ حکم خدا اور تقدیر سے متعدی ہوتی ہے جس کے لیے حکم خدا نہ ہوا اور جس کی تقدیر میں نہ ہو تو وہ بھی اثر نہیں ہوتا۔ دیکھیے جذامی کے مکان میں سب جذامی نہیں ہوتے، ٹی بی والے مریض کے تیماردار سب اس میں مبتلا نہیں ہوتے۔ انفلوئنزا کے مریض کے ساتھ رہنے والے لوگ انفلوئنزا سے محفوظ اور بالکل صحیح سالم ہوتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس کے لیے خدا کا حکم ہوا اسی کو مرض لگتا ہے، اگر ایسا نہیں تو مریض کے ساتھ طویل عرصہ تک رہنے اور کھانے پینے کے باوجود صحیح و سالم کیوں رہتے ہیں؟

شریعت نے دور رہنے کی ہدایت محض حفاظت عقیدہ اور سلامتی ایمان کے لیے کی ہے تاکہ مرض سے بچے اور دوسری ہر ایک کے لیے ہر حال میں حکم وجوبی نہیں ہے۔ حدیث شریف میں ہے فراراً منہ

(وہاں سے بھاگنے کے ارادہ سے مت نکلو) کے الفاظ ہیں، اس کی شرح میں لکھا ہے اگر وہاں سے بھاگنے کے علاوہ دوسری کوئی حاجت اور غرض ہو تو وہاں سے جانے میں اور بضرورت وہاں جانے میں کوئی حرج نہیں، عقیدہ پختہ اور مضبوط ہو تو ڈانواں ڈول نہ ہو۔ (فتح الباری وغیرہ)

اور درمختار میں ہے:

وإذا خرج من بلدة بها الطاعون فإن علم أن كل شيء بقدر الله تعالى فلا بأس بأن يخرج ويدخل، وإن كان عنده أنه لو خرج

نعجا ولو دخل ابتلاء كره له ذلك فلا يدخل ولا يخرج صيانة لاعتقاده.

یعنی جو شخص وبائی شہر سے نکلے لیکن اس کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر ایک چیز تقدیر الٰہی سے ہے خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہوتا تو اس کو نکلنے اور وہاں جانے کی اجازت ہے اور اگر اعتقاد ایسا ہے کہ یہاں سے چلا جاؤں تو بچ جاؤں گا ورنہ پھنس جاؤں گا تو ایسے شخص کو وہاں سے نکلنے کی اور جانے کی اجازت نہیں۔ تاکہ اس کا عقیدہ محفوظ رہے۔ (در مختار مع الشامی: ۳۴۱/۵)

ہاں! وہاں سے آسکتے ہیں، وقتی و بائی جگہ وہاں قیام کرنا لازم نہیں، قیام کے مقصد سے وہاں نہیں گئے تو کام سے فارغ ہو کر واپس آنا فرار شمار نہ ہوگا تاہم نیت کی درستی ضروری ہے۔

وفي هذه الاحاديث منع القدوم على بلد الطاعون ومنع الخروج منه فرارا من ذلك اما الخروج فلا باس به.

(نووي شرح مسلم: ۲۲۸/۲)

ہاں بضرورت وہاں جاسکتے ہیں اور سفر بھی کر سکتے ہیں جب وباء سے فرار کا قصد نہ ہو۔

لكن ابو موسى حمل النهي على من قصد الفرار محضا ولا شك ان الصور ثلاث من خرج لقصد الفرار محضا فهذا يتناوله النهي لا محالة ومن خرج لحاجة متمحضة لا لقصد الفرار اصلا ويتصور ذلك فيمن تهيأ للرحيل من بلد كان بها الى بلد اقامته مثلا ولم يكن الطاعون وقع فاتفق وقوعه في اثناء تجهيزه فهذا لم يقصد الفرار اصلا فلا يدخل في النهي والثالث من عرضت له حاجة فاراد الخروج اليها وانضم الى ذلك انه قصد الراحة من الاقامة بالبلد التي وقع بها الطاعون فهذا محل النزاع. (فتح الباري: ص ۱۵۹)

ہاں! تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے شہر کی حد میں جنگل اور میدان میں جاسکتے ہیں نیت یہ ہونی چاہیے کہ تبدیلی آب و ہوا بھی ایک علاج ہے۔ لہٰذا بغرض علاج نکلتے ہیں۔

غرض یہ کہ وبائی جگہ سے بارادہ فرار نہ نکلے، اللہ پر بھروسہ کر کے صبر و ہمت سے رہے۔ تقدیر میں موت ہوگی تو آئے گی اور درجہ شہادت حاصل ہوگی۔ جب موت بھاگنے سے ٹل نہیں سکتی تو بھاگ کر ایمان کیوں خراب کرے۔ (ماخوذ از فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۴۲)

ٹیبل، کرسی اور الگ الگ پلیٹوں میں کھانا:

میز پر دستر خوان بچھا کر بیٹھ کر کھانا سنت ہے، ٹیبل کرسی پر کھانے کا طریقہ اسلامی تہذیب کے خلاف ہے، یہ طریقہ یہود ونصاریٰ اور فیشن پرستوں کا ہے لہذا قابل ترک ہے البتہ کسی ضرورت کی بنا پر ٹیبل کرسی پر بیٹھ کر کھا لیا تو اس کو بھی حرام اور ناجائز نہیں کہا جائے گا اس کی عادت بنا لینا بھی خلاف سنت ہے۔ مالا بد منہ میں ہے "مسلم را تشبہ بہ کفار و فساق حرام است۔" مسلمان کو کفار اور فساق کی مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔ (مالا بد منہ، ص ۱۳۱)

اسی طرح ایک ساتھ مل کر ایک برتن میں کھانا بھی مسنون اور باعث برکت ہے الگ الگ پلیٹوں میں کھانا اسلامی طریقہ نہیں ہے، یہ غیر قوم کا طریقہ ہے کہ وہ ہوٹلوں اور گھروں میں ایک ساتھ بیٹھ جاتے ہیں مگر سب کی پلیٹیں الگ الگ ہوتی ہیں اگر مسلمان بھی یہی طریقہ اختیار کریں تو پھر مسلمانوں اور غیر مسلموں میں امتیاز کی کیا صورت ہوگی؟ نیز یہ توہم پرستوں کا طریقہ ہے جو امراض کے متعدی ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حدیث میں ہے:

عن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم كلوا جميعا ولا تفرقوا فان البركة مع الجماعة.

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب ساتھ مل کر کھاؤ اور الگ الگ مت کھاؤ، ساتھ مل کر کھانے میں برکت ہے۔

(مشکوٰۃ شریف: ص ۳۷۰ باب الضیافۃ)

ایک اور حدیث میں ہے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ہم کھانا کھاتے ہیں لیکن شکم سیری نہیں ہوتی، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا شاید تم لوگ الگ الگ کھاتے ہو، صحابہ نے کہا کہ ہاں، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"فاجتمعوا على طعامكم واذكروا اسم الله يبارك لكم فيه."

(ابو داؤد شریف: ۲/۱۷۲ باب فی الاجتماع علی الطعام،

مشکوٰۃ شریف، ص ۳۶۹ باب الضیافۃ، حصن حصین ص ۱۰۹ منزل ۳)

سب ایک ساتھ مل کر اور بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ تمہارے کھانے میں برکت ہوگی۔

نیز حدیث میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک بہت بڑا پیالہ تھا جس میں سب ایک

تعالیٰ میں ہے اس آیت سے تنہا کھانے کا جواز بھی نکلا، بعض حضرات کے متعلق لکھا ہے کہ جب تک کوئی مہمان ساتھ نہ ہو کھانا نہیں کھاتے تھے معلوم ہوا یہ غلو ہے، البتہ اگر کئی کھانے والے ہوں اور اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو موجب برکت ہوتا ہے۔

كما ورد في الحديث. (سورة نور، پاره ۱۸، ركوع ۱۲)

معارف القرآن ادریسی میں ہے نیز بعض حضرات جو اس قدر مہمان کی تعظیم کرتے تھے کہ وہ لوگ بے مہمان کے تنہا کھانا گوارا نہیں کرتے تھے اور اپنی جان پر مشقت گوارا کرتے تھے اور مہمان کا انتظار کرتے تھے، ان کے بارے میں آئندہ آیت اتری کہ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ایک جگہ جمع ہو کر اور مل کر کھانا کھاؤ یا الگ الگ ہو کر اکیلے اکیلے کھاؤ اور دل میں یہ خیال نہ کرو کہ کس نے کم کھایا اور کس نے زیادہ، اکیلا اکیلا کھانا بھی جائز ہے، مگر مل کر کھانے میں برکت زیادہ ہے۔

(معارف القرآن ادریسی: ۵/۲۹۹، مزید تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تفسیر روح المعانی: ۱۸/۱۲۲، مطبوعہ مصطفائیہ دیوبند اور تفسیر مواہب الرحمن: ص ۲۸۷، ۲۸۸/۱۸ پارہ نمبر ۱۸ و تفسیر روح البیان: ص ۱۸۶، ۱۸/۱۸۲)

تنہا کھانے کا رواج آج کل عام ہوتا جا رہا ہے، غیر اقوام اور فیشن پرستوں نے اسے اپنایا ہے لہٰذا مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنا چاہیے، خصوصاً اہل علم حضرات کو، امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

مهما صارت السنة شعارا لاهل البدعة قلنا بتركها خوفا من التشبه بهم.

یعنی جب کوئی سنت بدعتیوں کا امتیازی شعار بن جائے تو ہم اس میں ان کے مشابہ بن جانے کے خوف سے اس کے بھی ترک کا فتویٰ دیں گے۔

(احیاء العلوم: ۲/۲۷۰، بحواله التشبه في الاسلام: ۱۹۲)

حق تعالیٰ سنت کی عظمت اور اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

(ماخوذ از فتاوی رحیمیہ: ۶/۲۰۳، مع زیادة)

استاذ کی جگہ پر بیٹھنا:

شاگرد کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ استاذ کی جگہ پر بیٹھے چاہے استاذ موجود نہ ہوں،

...ب واحترام کے قابل ہے۔ خلاصۃ الفتاوی میں ہے

ولا يحل لمسلم ... [illegible] ... عنه (ج ۴ ص ۳۲۷)

داڑھی پر تنقید کا حکم:

داڑھی رکھنا شرعاً واجب ہے اس کا کٹوانا یعنی ایک مٹھی سے کم کرنا یا منڈانا حرام ہے ایسا شخص فاسق ہے، اس زمانہ انحطاط میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمان اس حکم شرعی پر عمل کرتے ہیں لیکن بعض ایسے مسلمان بھی جو خاندانی طور پر اور نام کے اعتبار سے تو مسلمان ہیں اعمال ان کے شریعت کے خلاف ہیں ایسے لوگ داڑھی رکھنے والوں کا مذاق بھی اڑاتے ہیں ایسے لوگوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟ اس بارے میں حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

افسوس! وہ زمانہ آ گیا ہے جس کی خبر مخبر صادق ﷺ نے دی ہے۔ ایک روز آنحضرت ﷺ نے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہارے نوجوان فاسق و فاجر بن جائیں گے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا ہونے والا ہے؟ فرمایا ہاں! بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت! پھر آپ ﷺ نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا جب تم نیکی کے کام میں آڑے آ جاؤ گے اور بدی کا حکم کرو گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ایسا ہونے والا ہے؟ فرمایا بے شک اس سے بھی زیادہ سخت، پھر فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا؟ جب تم نیکی کے کاموں کو خراب اور بدکاری کے کاموں کو اچھا سمجھنے لگو گے۔ (جمع الفوائد) کیا یہ سب آج نہیں ہو رہا ہے؟

لوگ داڑھی منڈاتے ہیں اور منڈانے کی تبلیغ کرتے ہیں، یہی نہیں بلکہ داڑھی منڈانے کو بہتر اور رکھنے کو خراب کہتے ہیں۔ جوان تو درکنار بڑی عمر کے لوگ بوڑھے بھی داڑھی منڈا کر حضور رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کر کے برسر عام فاسق بن رہے ہیں، آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے: "تم سفید بالوں کو مت نوچو، جو مسلمان حالت اسلام میں بوڑھا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سفید بال کے بدلے میں اس کو نیکی کا ثواب عطا فرماتے ہیں اور اس کی خطا معاف فرماتے ہیں اور قیامت کے دن یہ سفید بال اس کے لیے نور بنیں گے۔ (ابوداؤد شریف ۲/۲۲۵)

ایک حدیث میں ہے کہ بوڑھے کو عذاب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ شرماتے ہیں، الغرض اگر اللہ تعالیٰ بوڑھوں کو ان کی معاصی کی سزا دیتے شرماتا ہے مگر بوڑھا داڑھی منڈا کر بڑھاپا چھپا کر نقلی جوان

تعالیٰ کی عبادت کرے اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کچھ بجا لائے مگر آپ ﷺ کے کسی عمل کے بارے میں بطور اعتراض یہ کہے کہ آپ ﷺ نے یہ کیوں کیا؟ یا آپ ﷺ کے کسی حکم سے متعلق دل میں تنگی محسوس کرے تو صوم و صلوٰۃ وغیرہ اعمال ہونے کے باوجود وہ کافر و مشرک کے حکم میں ہے۔ (تفسیر روح المعانی: ۵/۷۰)

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فیصلہ:

ایک مسلمان اور یہودی کا مقدمہ آپ ﷺ کے دربار میں پیش ہوا آپ ﷺ نے تحقیق فرما کر یہودی کے حق میں فیصلہ صادر فرمایا۔ مسلمان اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوا اور یہ مقدمہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سماعت مقدمہ کے بجائے فیصلہ یہ کیا کہ یہ مرتد ہوگیا ہے چنانچہ اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا کہ آپ ﷺ کے فیصلہ کو منظور نہ کرنے والے کے لیے صحیح فیصلہ یہی ہے۔

یہ ایک ضابطہ اور قانون کی بات تھی کہ آپ ﷺ کے فیصلہ سے منحرف ہونے والا اور آپ ﷺ سے زیادہ کسی اور کو منصف قرار دینے والا مرتد کافر ہے اور اسلام کا نام لیتا ہے تو یہ نفاق ہے۔ اس کے علاوہ حقیقت یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو جملہ کمالات اور محاسن کا کامل نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا اور اعلان فرما دیا کہ

﴿لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة﴾

تو کمال وہی ہے جو سنت نبوی کا پرتو ہو اور حسن و خوبی وہی ہے جو محاسن محمد مصطفیٰ ﷺ کا نمونہ ہو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین حسن و کمال کے اس فلسفہ کو پوری طرح سمجھتے تھے۔ چنانچہ نہ صرف عبادات میں سنن نبویہ کی اتباع کرتے تھے، نہ صرف اپنی عادتوں کو آپ ﷺ کی عادتوں کے سانچے میں ڈھالتے تھے بلکہ آپ ﷺ کے معمولی اشاروں کو بھی حکم کی حیثیت دیتے تھے اور اس کی تعمیل کو سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے۔

صحابہ کرام کی اتباع سنت کی چند مثالیں:

مثلاً آپ ﷺ منبر پر رونق افروز ہوئے اور آپ نے حاضرین سے فرمایا

اجلسوا

تشریف رکھیے، اب اس حکم کی تعمیل کیسے کی گئی؟ اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیے۔

یعنی داڑھی بڑے رتبے میں خوبصورتی کی چیز ہے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ملائکہ کی ایک جماعت کا وظیفہ ہے۔

سبحان من زين الرجال باللحى والنساء بالذوائب ۔

پاک ذات ہے وہ جس نے مردوں کو داڑھی سے اور عورتوں کو چوٹیوں اور مینڈیوں سے زینت بخشی ۔ (تکملہ بحر الرائق: ۲۲۱/۸)

ایک روایت ہے کہ فرشتے جب قسم کھاتے ہیں تو یہ کہتے ہیں:

والذي زين بني آدم باللحى ۔

قسم اس ذات کی جس نے انسان کو داڑھی سے زینت بخشی ۔

حضور اقدس ﷺ سے سچی محبت ہو تو آپ کی ہر ایک بات اور ہر ایک عادت محبوب ہونی چاہیے۔ محبوب کی ہر ادا محبوب ہوتی ہے۔ اس سے (معاذ اللہ) نفرت، محبت نہ ہونے کی علامت ہے۔ داڑھی کا منڈانے والا حضور ﷺ کی سنت کو پامال کرنے والا ہے۔ وہ سچا محب کیسے ہو سکتا ہے؟ کسی نے خوب کہا ہے:

تعصي الرسول وانت تظهر حبه	هذا لعمري في القياس بديع
لو كان حبك صادقا لأطعته	إن المحب لمن يحب مطيع

یعنی تم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرتے ہو اور ساتھ ہی ان کے فرمان کی خلاف ورزی بھی کرتے ہو کس قدر عجیب بات ہے؟ اگر فی الواقع تمہارے دل میں ان کی محبت ہوتی اور تم اپنے دعویٰ محبت میں سچے ہوتے تو کبھی ان کی نافرمانی نہ کرتے ان کے ہر فعل اور ادا سے محبت ہوتی ۔

مجنوں لیلیٰ کی گلی سے جب گزرتا ہے تو در و دیوار کو چومتا اور کہتا تھا ۔

أمر على الديار ديار ليلى	أقبل ذا الجدار وذا الجدارا
وما حب الديار شغفن قلبي	ولكن حب من سكن الديارا

میں لیلیٰ کی گلیوں سے جب گزرتا ہوں تو اس دیوار کو بھی چومتا ہوں اور اس دیوار کو بھی گلی کوچوں کی محبت دل کی لگن نہیں ہے بلکہ اس کی محبت جو ان گلیوں میں رہتی ہے ۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است — افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

ہر دم ہزار بوسہ زنم دست خویش را — کہ دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

یعنی اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں کہ اس نے تیرے جمال کا دیدار کیا ہے اپنے پاؤں پر گرتا ہوں کہ تیری گلی میں اس کی رسائی ہوئی ہے۔ اپنے ہاتھ کو ہزار بار چومتا ہوں کہ اس نے تیرا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔

''مثنوی'' میں ہے کہ ایک معشوق نے عاشق سے کہا کہ تو نے بہت سے شہروں کی سیاحت کی ہے، سب سے اچھا شہر کونسا ہے؟ عاشق نے جواب دیا جس میں میرا محبوب رہتا ہے

گفت آں شہرے کہ دروے دلبر است

افسوس ہوتا ہے کہ دعویٰ ہے محبت مولا اور عشق رسول کا اور عمل پاکیزہ زندگی سے معاذ اللہ نفرت؟ محبوب رب العالمین آقائے دوجہاں ﷺ کا ارشاد ہے

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ (مشکوۃ)

دعویٰ محبت قابل اعتبار نہیں ہے جب تک ایسا نہ ہو جائے کہ صاحب ایمان کی چاہ (خواہش) میری تعلیم کے تابع نہ ہو جائے۔

یعنی دل کی خواہش اور دل کا جذبہ پیدا ہی ہے جو آپ ﷺ کی تعلیم اور آپ کی سنت ہے۔

بار بار ارشاد ہوا جو میری سنت پر عمل نہ کرے وہ میرا نہیں ہے جو دوسروں کے طریقے پر چلے وہ ہم میں سے نہیں ہے، جو میرے طریقے سے منہ پھیر لے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے، جس نے میری سنت بگاڑی اس پر میری شفاعت حرام ہے۔

سنت سے روگردانی خطرناک ہے:

ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ حدیث بیان فرما رہے تھے:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب الدباء۔

''حضور ﷺ کدو کو پسند فرماتے تھے۔''

ایک شاگرد فوراً بول اٹھا مگر میں تو پسند نہیں کرتا۔ امام ابو یوسف رحمہ اللہ نے تلوار نکال کر کہا توبہ کرو ورنہ قتل کر دوں گا۔

مدینہ شریف میں ایک صاحب نسبت بزرگ کی زبان سے اتنی بات نکل گئی کہ شاید

ہندوستان کا دین یہاں کے دین سے اچھا ہے۔ آپ ﷺ نے خواب میں (یا عالم واقعہ میں) فرمایا کہ ہمارے یہاں سے چلے جاؤ، وہاں جا کر رہو جہاں کا دین اچھا ہے۔

امام ربانی فرماتے ہیں کہ تمام سنن خداوند عالم کی پسندیدہ ہیں اور جو چیزیں خلاف سنت ہیں وہ شیطان کی پسند کردہ ہیں۔ (مکتوبات ۱/۲۵۵)

آپ سوال کرتے ہیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟ برادر اسلام! خواہش کے بندوں کی ملامت اور لعن طعن سے گھبرا کر حق بات کو چھوڑنا ابوطالب کا طریقہ ہے۔ آپ ﷺ نے ابوطالب کو بوقت مرگ کہا کہ چچا ایک دفعہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہہ دو۔ ابوطالب نے جواب میں کہا:

اظهرت دينا قد علمت بأنه ... من خير أديان البرية دينا
لولا الملامة أو حذار مسبة ... لوجدتني سمحا لذلك مبينا

یعنی آپ ﷺ نے میرے سامنے ایسا دین پیش کیا ہے جس کو میں دنیا کے تمام ادیان سے افضل سمجھتا ہوں اگر مجھے لوگوں کی ملامت اور لعن طعن کا ڈر نہ ہوتا تو آپ مجھے قبولیت حق میں جوانمرد پاتے۔

خلاصہ یہ کہ لوگوں کی لعن طعن سے ڈر کر حق بات کو چھوڑ دینا ابوطالب کا طریقہ ہے اور ساری دنیا کی ملامت کی پروا کیے بغیر حق کو پکڑے رکھنا ہمارا اسلام حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کی سنت ہے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سفر میں تھے۔ آپ کے ہاتھ مبارک سے کھاتے کھاتے لقمہ گر گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو اٹھا کر صاف کر کے منہ میں ڈالنے لگے عجمی لوگ دیکھ رہے تھے خادم نے چپکے سے کہا۔ حضرت ایسا نہ کیجئے، یہ عجمی گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر کھا لینا بہت برا سمجھتے ہیں اور ایسے لوگوں کو بنظر حقارت دیکھتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا:

أأترك سنة حبيبي لهؤلاء الحمقاء.

کیا میں ان بیوقوفوں کی وجہ سے اپنے حبیب ﷺ کی سنت چھوڑ دوں؟

یہ ہے ایمان، یہ ہے آپ ﷺ کے افضل الانبیاء ہونے اور آپ کی تعلیم کے مکمل ترین تعلیم ہونے پر! ہمارا خادم عجمیوں کی تہذیب سے مرعوب ہے اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ اپنے حبیب پاک ﷺ کی تہذیب پر نازاں، وہ اس شخص کو احمق کہتے ہیں جو محبوب خدا ﷺ کو کامل معلم نہ سمجھے اور آپ کی تہذیب کا شیدا نہ ہو۔ آپ داڑھی منڈاتے ہیں۔ آپ ان نادانوں کی بات پر عمل کریں

گے تو گناہگار ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر ﷺ کو ہدایت فرمائی ہے۔ ہم نے تم کو دین کے ایک خاص طریقہ پر لگا دیا ہے اسی طریقہ پر چلتے رہو اور ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو علم سے نا آشنا ہیں۔ (سورۃ جاثیۃ) (ماخوذ از فتاوی رحیمیہ: ۲/۳۹۸)

ظالم ظلم سے باز نہ آئے تو کیا تدبیر کی جائے:

ایسے شخص کے متعلق قرآنی تعلیم یہ ہے کہ دونوں میں عداوت دور کرنے اور اتفاق و باہمی محبت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اس میں اگر کامیابی نہ ہو اور ایک گروہ ظلم و زیادتی پر کمر کس لے تو دوسرے مسلمان خاموش ہو کر تماشہ نہ دیکھیں بلکہ جس کی زیادتی ہو تمام مسلمان متفق ہو کر اس کا مقابلہ کریں۔ یہاں تک کہ ظالم مجبور ہو کر ظلم و زیادتی سے باز آ جائے جب یہ باز آ جائے تو عدل و انصاف کے تقاضے کو سامنے رکھ کر ان دونوں میں صلح و صفائی اور میل ملاپ کرا دو۔

(سورۃ حجرات)

اور حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تمہیں نجات نہ ملے گی تاوقتیکہ ظالموں کو اپنے ظلم سے باز نہ رکھو اور ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے قسم کھا کر فرمایا تم امر بالمعروف کرتے رہو اور ظالموں کو ظلم سے روکتے رہو اور حق بات کی طرف کھینچ کر لاتے رہو ورنہ تمہارے قلوب بھی اسی طرح مسخ کر دیے جائیں گے جس طرح ان لوگوں کے کر دیے گئے اور اسی طرح تم پر بھی لعنت ہوگی جس طرح ان پر یعنی بنی اسرائیل پر ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

انصر اخاک ظالماً او مظلوماً.

تم اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو ظالم ہو یا مظلوم سوال کیا گیا یا رسول اللہ! مظلوم کی مدد تو کریں گے مگر ظالم کی مدد کس طرح کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کو ظلم سے روک دو۔ (بخاری شریف: ۱/۳۳۱، پارہ: ۹)

اس زمانہ میں ظالم، ڈاکو، بدمعاش، چور کو اور دیگر جرائم پیشہ افراد کو کھلے عام جرم کرنے کی جرأت اس لیے بھی ہوتی ہے کہ ظالم کے خلاف آپس میں ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے، بھرے بازار میں کسی کو قتل کر کے مال لے کر روانہ ہو جاتا ہے، لوگ تماشہ بین بن کر دیکھتے رہتے ہیں، یہ اسلامی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔

بوسیدہ اوراق کا حکم:

پراگندہ اوراق یا بوسیدہ قرآن مجید کو دفن یا دریا برد کیا جائے یا کس طرح نیز دیگر اوراق انگریزی اخبارات وغیرہ کی (جن میں بعض موقع پر آیات اور انگریزی کتب یا اخبارات وغیرہ میں تصاویر بھی ہوتی ہیں) کس طرح تلف کیا جائے؟

قال في العالمگيرية: المصحف إذا صار خلقا لا يقرأ منه ويخاف أن يضيع يجعل في خرقة طاهرة ويدفن ودفنه أولى من وضعه موضعا يخاف أن يقع عليه النجاسة اهـ (٦/٢١٦) وفيه.

المصحف إذا صار خلقا وتعذر القرأة منه لا يحرق بالنار أشار الشيباني إلى هذا وبه نأخذ اهـ.

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کو دفن کر دینا چاہیے جلانا نہیں چاہیے باقی اوراق جن میں قرآن کی آیت یا اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا نام ہو اس میں سے آیت، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کا نام نکال لینا چاہیے ان کو دفن کر دیا جائے اور اور باقی کو جلا دینا جائز ہے مگر قرآن اور اللہ تعالیٰ کے نام کو اس طرح دفن کیا جائے جس طرح بغلی قبر میں مردہ کو رکھا جاتا ہے تاکہ اس پر مٹی نہ پڑے۔

ويلحد له لأنه لو شق ودفن يحتاج إلى اهالة التراب عليه وفي ذلك نوع تحقير إلا إذا جعل فوقه سقف بحيث لا يصل التراب عليه فهو حسن أيضا كذا في الغرائب اهـ. عالمگيرية

(ماخوذ از امداد الاحکام: ٤/٢٩١)

کفار سے دوستی اور میل جول رکھنے کا حکم:

کفار سے معاملات بیع و شراء اجارہ وغیرہ جائز اور بضرورت ظاہری میل جول میں بھی مضائقہ نہیں، باقی بلا ضرورت میل جول کرنا جائز نہیں اور رابطہ محبت و دوستی بھی جائز نہیں باقی معاملات ہر حال میں جائز ہیں۔

ہندوؤں کے تیار کردہ کھانے کا حکم:

ہندوؤں کے ہاتھ کی پکی ہوئی روٹی، اسی طرح مٹھائی اور گھی وغیرہ استعمال کرنا جائز ہے لیکن گوشت کھانا جائز نہیں، کیونکہ ان کا ذبیحہ حرام ہے۔

ہندوؤں کی نیز دوسرے کفار کی دعوت قبول کرنا اس شرط سے جائز ہے کہ کھانے کے اندر کوئی حرام چیز شامل نہ ہو اور نہ کھانے کی مجلس ناچ گانا وغیرہ کی ہو۔

كذا في الدر المختار والشامي من الحظر والاباحة

پھر بھی بہتر یہی ہے کہ شرکت سے احتراز کرے، کفار و مشرکین کے ساتھ کھانے کے متعلق فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ کبھی اتفاق سے گھر جائے اور ضرورت سمجھے تو مضائقہ نہیں مگر بلا ضرورت شریک ہونا یا عادت ڈال لینا جائز نہیں۔

لما في العالمگيرية : إن ابتلي المسلم مرة او مرتين فلا بأس به، واما الدوام عليه فيكره كذا في المحيط . هندية كتاب الكراهية

(إمداد المفتين ص ١٠٦٠)

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے کہ مسلمان ایک آدھ مرتبہ کفار کی دعوت میں شرکت پر مجبور ہو جائے اور مجبوراً شرکت کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن ہمیشہ اس کی عادت ڈالنا مکروہ ہے۔

کافر کی عیادت و تعزیت:

کافر کی عیادت جائز ہے اور جب مر جائے تو اس کے وارثوں کی تعزیت بھی جائز ہے مگر تعزیت اس مضمون سے کی جائے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے بہتر بدلہ عطا فرمائے لیکن کافر کے جنازے کے ساتھ اس کے مرگھٹ تک جانا جائز نہیں کیونکہ اس میں بھی کافر کی تعظیم و تکریم ہے اور وہ مستحق تعظیم نہیں۔

نیز جنازہ کے ساتھ جانے کا ایک مقصد شفاعت کرنا بھی ہے اور ظاہر ہے کافر شفاعت کا اہل نہیں۔

قال في العالمگيرية : الباب الرابع عشر من الكراهية ولا بأس بعيادة اليهودي والنصراني وفي المجوسي اختلاف كذا في التهذيب ويجوز عيادة الذمي كذا في التبيين الى قوله واذا مات الكافر قال لوالده او قريبه في تعزيته : خلف الله عليك خيرا منه واصلحك اي اصلحك بالاسلام الخ . (عالمگيري كشوري : ٤/٢٢٨)

وصرح باهانة جيفة الكافر في جنائز الشامي والدر المختار

[illegible]

[illegible]

[illegible]

قادیانی کی تجہیز و تکفین اور اس کے نکاح میں شرکت:

اس سلسلے میں ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے

سوال ۱: کسی قادیانی کی تجہیز و تکفین میں بوقت ضرورت حصہ لینے والے مسلمان کے حق میں کیا حکم ہے؟

۲. قادیانی کی شادی میں شرکت کرنا اور امداد کرنا کیسا ہے؟

۳. دعوت قادیانی کی مسلمان کے لیے کیسی ہے؟

۴. علماء دین کے فتوی کو غلط بتانے والے اور توہین کرنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟

۵. عزیز و اقارب دوست آشنا تمام برادری کے بھائی اور مسلمانان قصبہ قادیانیوں سے ساتھ کیا برتاؤ کریں تاکہ وہ عنداللہ ماخوذ نہ ہوں؟

٦. قادیانی کی شادی میں شرکت کرنا کیسا ہے؟

جواب: ۱. مرزا غلام احمد کے تمام متبعین خواہ کسی پارٹی کے ہوں جمہور علماء اسلام کے اتفاق سے کافر و مرتد ہیں ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا یا شریک ہونا ہرگز جائز نہیں اور جو کوئی مسلمان شریک ہوا وہ گناہگار ہے توبہ کرنی چاہیے۔

۲. یہ بھی ناجائز ہے کیونکہ اس سے لوگ ان کو مسلمان سمجھنے لگتے ہیں اور ان کو اپنی گمراہی پھیلانے کا موقع ملتا ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین ۝
ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار﴾

۳. ہرگز نہ کھانی چاہیے بالخصوص ذبیحہ ان کا بالکل مردار ہے اس سے پرہیز ضروری ہے۔

۴. ایسا شخص سخت گناہگار ہے بلکہ اندیشہ کفر ہے توبہ کرنی چاہیے۔

جلسوں میں شریک ہونا یا ان کو جلسے میں شریک کرنا، شادی وغمی اور کھانے پینے میں ان کو شریک کرنا سخت گناہ ہے اور مناکحت تو قطعاً حرام ہے اور جو نکاح ہو بھی جائے تو نکاح منعقد نہیں ہوتا، بلکہ اگر انعقاد نکاح کے بعد مرتد ہو جائے تو نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے البتہ تجارتی تعلقات اور ملازمت میں رہنا یا ملازم رکھنا بعض صورتوں میں جائز ہے، بعض میں وہ بھی ناجائز ہے لیکن بلا ضرورت شدیدہ اس سے بھی احتراز ضروری ہے۔ (ماخوذ از: امداد المفتیین: ص ۱۰۲۴)

قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانا مکروہ تحریمی ہے:

قبلہ کی طرف پیشاب، پاخانہ کرنا، پیر کرنا یا تھوکنا مکروہ تحریمی ہے۔ درمختار میں ہے:

ويكره تحريما استقبال القبلة بالفرج وكذا استدبارها في الأصح إلى أن قال كما كره مد رجليه في نوم أو غيره إليها أي عمدا لأنه إساءة أدب الخ.

البتہ قبلہ کی طرف پشت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (امداد المفتیین: ص ۱۳۵)

چھپکلی کو مارنا ثواب ہے:

چھپکلی اور گرگٹ دونوں کا مارنا باعث اجر و ثواب ہے، حدیث میں "وزغ" کا لفظ ہے جو دونوں کو شامل ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس کے مارنے پر اجر و ثواب کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ یہ آتش نمرود میں پھونک مار کر اس کو تیز کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ضرر پہنچانے میں تعاون کر رہی تھی۔

عن أم شريك رضي الله تعالى عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أمر بقتل الوزغ وقال وكان ينفخ على إبراهيم عليه السلام

(بخاري: ۴۷۴/۱)

ام شریک رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے گرگٹ چھپکلی قتل کرنے کا حکم فرمایا ہے کیونکہ وہ ابراہیم علیہ السلام کی آگ تیز کرنے کے لئے پھونک مار رہی تھی۔

وعن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم من قتل وزغا في أول ضربة كتبت له مائة حسنة وفي الثانية دون ذلك وفي الثالثة دون ذلك. (مسلم: ۲۳۶/۲)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے چھپکلی کو ایک مرتبہ میں قتل کر دیا اس کو سو نیکیاں ملیں گی اور جس نے دو مرتبہ میں مارا اس کو بھی ثواب ملے گا اور جس نے تین مرتبہ میں قتل کیا اس کو بھی ثواب ملے گا۔

عن ابي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من قتل وزغة بالضربة الاولى كان له كذا وكذا حسنة فان قتلها في الضربة الثالثة كان له كذا كذا حسنة وفي الباب عن ابن مسعود وام شريك وحديث ابي هريرة حديث حسن صحيح.

(ترمذي ١/٢٧٣)

قال الإمام القرطبي رحمه الله تعالى: وقال كعب وقتادة والزهري ولم تبق دابة الا اطفأت عنه الا الوزغ فانها كانت تنفخ عليه فلذلك امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتلها عليه فلذلك امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بقتلها وسماها فويسقة

(الجامع لأحكام القرآن ١١/٣٠٤، ماخوذ از احسن الفتاوی ٨/٨٧ مع اضافه)

غسل خانہ میں پیشاب کرنا:

غسل خانہ میں پیشاب کرنا کیسا ہے؟ جبکہ فرش پختہ ہو اور پیشاب کر کے اس پر پانی بہا دیا جائے تو اس کا حکم یہ ہے کہ فی نفسہ اس طرح پیشاب کرنا جائز ہے مگر احتراز بہتر ہے کیونکہ اس سے وساوس پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يبولن احدكم في مستحمه ثم يغتسل او يتوضأ فيه فان عامة الوسواس منه

(ماخوذ از احسن الفتاوی مع اضافه)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی غسل خانے میں پیشاب نہ کرے پھر اس میں غسل یا وضو کرے کیونکہ عام طور پر اس سے وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔

انجکشن کے ذریعہ جانوروں کو حاملہ کروانے کا حکم:

مصنوعی طریقہ سے انجکشن وغیرہ کے ذریعے گائے بھینس وغیرہ کو حاملہ کرنے میں شرعا کوئی

یا ابا ذر طف الصاع طف الصاع لیس لابن البیضاء علی ابن السوداء فضل۔

اے ابوذر! تم سب ایک ہی پیمانے سے ناپ ہوئے (برابر ہو) سو تم بھی ایک ہی باپ کی اولاد ہو، کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں۔

حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی کہاں تاب لاسکتے تھے کہ ان کی کوئی حرکت سرور عالم ﷺ کے خلاف مزاج واقع ہو، الفاظ مذکورہ کا زبان مبارک سے سننا تھا کہ فوراً زمین پر لیٹ گئے اور اس شخص سے جس کے متعلق نامناسب الفاظ نکل گئے تھے عرض کیا کہ اٹھو اور میرے چہرے پر پیر رکھو۔ یہ واقعہ احیاء العلوم میں مذکور ہے اور تخریج عراقی میں بحوالہ مسند احمد اس کی تائید کی گئی ہے۔ (احیاء العلوم: ۳/۳۰۳)

حسب ونسب پر فخر وغرور اور دوسروں کی تحقیر کے متعلق حدیث، تفسیر اور اخلاق وغیرہ مختلف فنون اسلامیہ کی کتابوں میں مذمتوں اور قباحتوں کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے اور بلاشبہ وہ شخص جو کوئی ذاتی کمال نہیں رکھتا محض شرافت نسب پر فخر کرتا ہے اس کی مثال ٹھیک ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی مردہ کے حلق میں خمیرہ مروارید ڈال دے یا کسی سڑے ہوئے مردہ کی گردن میں گراں قدر جواہرات کا ہار لٹکا دے تو اس سے نہ مردہ میں کوئی قوت پیدا ہوگی اور نہ سڑے ہوئے مردار میں کوئی زینت۔

یہ مثال اس جگہ اس لیے بھی زیادہ چسپاں اور صحیح ہوگی کہ جس طرح مردہ بے جان میں خمیرہ مروارید اور قیمتی جواہرات کے بے سود اور بیکار ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ چیزیں بالکل بیکار ہوں اسی طرح اس جگہ بداعمالی اور بداخلاقی کے ساتھ شرافت نسب کے بیکار اور بے فائدہ ہونے سے بھی شرافت نسب کا مطلقاً غیر مفید و بیکار ہونا لازم نہیں آتا بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ شرافت نسب ایک نعمت ضرور ہے مگر اس کے مفید ہونے کے لیے اپنے ذاتی اعمال و اخلاق کا فی الجملہ درست ہونا شرط ہے۔

اس لیے جس شخص کو اللہ تعالیٰ شرافت نسب کی نعمت عطا فرمائے اس کو بہ نسبت دوسروں کے اور بھی زیادہ صلاح اعمال و اخلاق کی طرف توجہ کرنی چاہیے کیونکہ وہاں تو اس نعمت کا تقاضا اور شکریہ بھی ہے، دوسرے بزرگوں کی طرف نسبت جتنی زیادہ ہے اتنی ہی اس کی ذمہ داریاں زیادہ

صرفا

(رواہ البخاری ومسلم وابو داؤد والنسائی وابن ماجہ ترغیب: ۳/۸۸)

جو شخص اپنے باپ کے سوا کسی دوسرے کی طرف اپنی نسبت کرے یا آزاد کردہ غلام اپنے نسب یا اپنے آقاؤں کے قبیلے کے سوا دوسرے قبیلے کی طرف نسبت کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور فرشتوں کی اور تمام انسانوں کی، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا فرض قبول فرمائے گا نہ نفل۔

اسی مضمون کی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ابوداؤد میں اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مسند احمد، ابن ماجہ وغیرہ میں بھی مروی ہے۔

حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی اپنے دادا سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "انسان کے کفر کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ کسی نسب سے بیزاری کرے اگرچہ وہ نسب ادنیٰ ہی ہو، یا ایسے نسب کا دعویٰ کرے جس میں اس کا ہونا معروف نہیں۔ اس حدیث کو امام احمد اور طبرانی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (از ترغیب: ۳/۸۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو اپنے باپ کے سوا دوسرے کی طرف منسوب کرے وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔ حالانکہ اس کی خوشبو ستر برس کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔ (مسند احمد، ابن ماجہ، از ترغیب: ۳/۸۸)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من ادعى نسبا لا يعرف كفر بالله او انتفى من نسب وان دق كفر بالله. (رواه الطبراني في الاوسط ترغيب: ۳/۸۹)

جو شخص کسی ایسے نسب کا دعویٰ کرے جو اس کے لیے معروف نہیں تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا (یعنی نافرمانی کی) یا کسی نسب سے بیزاری کی اگرچہ وہ ادنیٰ نسب ہو تو اس نے اللہ تعالیٰ کا کفر کیا۔

احادیث مذکورہ کی اس قدر سخت وعیدوں کے سننے اور دیکھنے کے بعد بھی کیا کوئی مسلمان نسب بدلنے اور خلاف واقع ظاہر کرنے پر جرأت کرے گا؟

گر بباور نیست بر روئے اعتقاد　　　　ایں ہمہ را آزمودن ور ندیدن داشتن

بعض نسب بدلنے والوں کا عذر لنگ:

کہا جاتا ہے کہ کپڑا بننے والوں کا نام جو ہمارے عرف میں جولاہا ہے یہ نام مستکرہ و مکروہ ہے

کیونکہ یہ لفظ دراصل سنسکرت زبان کا ہے جس کے معنی ظالم کے ہیں اور برے نام رکھنے سے آپ ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے۔ اس لیے ہم اپنے کو بجائے جولاہا کے انصاری کہتے ہیں اور وجہ مناسبت یہ ہے کہ پیشہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کا بھی یہی تھا۔ الغرض ہم اپنے کو انصاری بہ حیثیت نسب نہیں کہتے بلکہ بہ حیثیت پیشہ کہتے ہیں۔

لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اول تو یہ غلط ہے کہ جولاہا کے معنی اردو میں مستنکر و مکروہ ہیں کیونکہ اصل لفظ چاہے سنسکرت کا ہو یا کسی اور زبان کا اور معنی ظالم کے ہوں یا کچھ اور لیکن اردو میں اس کا مفہوم اس سے زائد نہیں کہ کپڑا بننے والے کو جولاہا کہتے ہیں اور نام کے مکروہ و مستنکر ہونے کا اعتبار اسی زبان کے اعتبار سے ہونا چاہیے جس زبان کا لفظ سمجھ کر استعمال کیا جاتا ہو۔ اس لیے اردو زبان میں یہ لفظ کوئی مکروہ لفظ نہیں خواہ سنسکرت میں اس کے معنی کتنے ہی قبیح ہوں۔ علاوہ ازیں اگر یہی باعث تھا تو کوئی اور نام جیسے نور باف یا پارچہ باف وغیرہ رکھ لیتے۔ لفظ انصاری جو ایک خاص خاندان کے لیے بولا جاتا ہے اور اسی معنی میں شہرت پاچکا ہے اس کو اپنا لقب قرار دینا عرف عام کے لحاظ سے اسی نسب کا دعویٰ بنتا ہے۔

اور احادیث صحیحہ سے معلوم ہو چکا ہے کہ غیر نسب کی طرف اپنے کو منسوب کرنا سخت حرام اور وعید شدید کا موجب ہے اور اگر بالفرض کسی کی نیت ادعائے نسب کی نہ ہو بلکہ محض پیشہ کے لحاظ سے نسبت کرنا مقصود ہو تو کم از کم التباس اور مغالطے سے خالی نہیں۔

جیسے کوئی نبی اور رسول اپنے آپ کو کہنے لگے اور معنی یہ مراد لے کہ میں خبر دینے والا قاصد ہوں تو شرعاً اس معنی سے بھی اپنا لقب نبی اور رسول رکھنا حرام ہے، کیونکہ التباس کا سبب ہے۔

ان سب باتوں کو چھوڑ کر یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ خاندانوں نسبتوں کے تغیر اور القاب کے ادل بدل کا داعی ایک مرض یا علاج محض تکبر و تعلّی ہے جو خود حرام اور ناجائز ہے۔

اور جو اس کے بعد بھی عزت فانیہ موہومہ پر عزت ابدیہ باقیہ کو قربان کرے وہ مسکین قابل رحم ہے۔ اس کی عقل و دانش پر تعزیت کرنی چاہیے کہ کس متاع گراں مایہ کو اس قدر سستا دے دیا۔

ہیں تو ٹھکانہ میں کا یک نہ ہوا عزت کا ۔۔۔ دین کے بدلہ میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

اور تجربہ تو یہ ہے کہ اس طرز سے عزت فانیہ دنیویہ بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس قسم کے لوگ اور بھی زیادہ نظروں سے گر جاتے ہیں۔

رنگ سے تبدیل کرو لیکن سیاہ رنگ سے اجتناب برتو۔

یستحب للرجل خضاب شعره ولحیته ولو ... ویکره

بالسواد. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ٦/٤٢٢)

(یعنی مرد کے لیے سر اور داڑھی پر خضاب کرنا مستحب ہے مگر سیاہ رنگ کا خضاب مکروہ تحریمی ہے)

حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سر اور داڑھی میں سیاہ خضاب لگانا زینت کے طور پر شرعاً حرام ہے۔ کیونکہ کلیاتو جدیا اس پر وعید آئی ہے۔

حضرت مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ کا فتویٰ:

سوال: سر کے بال جوانی میں سفید ہو گئے ہیں تو سیاہ خضاب لگانا کیسا ہے؟

جواب: سیاہ خضاب لگانا سخت گناہ ہے، احادیث میں اس پر وعید آئی ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ: ٦:٢٩)

جدید ہیئر کلر کا حکم:

آج کل ہیئر کلر کے نام سے جو مہندی کا رنگ آ رہا ہے اس کا حکم یہ ہے کہ جو ہیئر کلر بالوں کو خالص سیاہ کر دیں نہ صرف مکروہ تحریمی ہے بلکہ بروئے حدیث باعث لعنت اور جنت سے محرومی کا سبب بھی ہے۔ البتہ جو ہیئر کلر بالوں کو خالص سیاہ نہیں کرتے بلکہ سیاہی مائل براؤن کرتے ہیں ان کا استعمال بلا کراہت جائز ہے۔

واضح رہے کہ یہ اس ہیئر کلر کا حکم جس میں حرام اشیاء نہ ہوں اگر حرام اشیاء ہوں تو ان کا استعمال مطلقاً حرام ہے خواہ بالوں کو خالص سیاہ کریں یا نہ کریں۔

(ماخوذ از خضاب کا شرعی حکم، فتویٰ دارالافتاء سوری ٹاؤن)

مجاہدین کے لیے سیاہ خضاب کا حکم:

سوال: مجاہد کے بال سفید ہو گئے ہوں تو جہاد میں جاتے وقت دشمن پر رعب ڈالنے کی غرض سے سیاہ خضاب استعمال کر سکتے ہیں؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: دشمن پر رعب ڈالنے کی غرض سے جہاد کے موقع پر سیاہ خضاب کا استعمال بالاتفاق محمود و مستحسن ہے۔

قال في الذخيرة: أما الخضاب بالسواد للغزو ليكون أهيب في عين العدو، فهو محمود بالاتفاق، وإن ليزين نفسه للنساء فمكروه وعليه عامة المشايخ. (فتاوى شامي: ٦/٤٢٢)

وغير وخضاب الشيب واجتنبوا السواد قال الحموي هذا في حق غير الغزاة ولا يحرم في حقهم للإرهاب. (فتاوى شامي: ٦/٧٤٦)

مروجہ حیلہ اسقاط:

مروجہ حیلہ اسقاط کے متعلق ایک مفصل سوال وجواب لکھ کر نقل کیا جاتا ہے

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں

ہمارے علاقے میں زمانہ قدیم سے رائج ہے کہ جب کوئی شخص مرجاتا ہے اور اس کو تدفین کے لیے قبرستان لے جاتے ہیں تو نماز جنازہ کے بعد دو تین سو افراد کا ایک بڑا دائرہ بنایا جاتا ہے اور اس بڑے دائرے کے اندر ایک چھوٹا دائرہ بھی بنایا جاتا ہے جس میں ایک عالم ہوتا ہے۔ یہ عالم وارث میت سے چادر میں لپٹی ہوئی رقم جس پر ایک قرآن کریم بھی رکھا ہوتا ہے وصول کرکے پہلے چھوٹے دائرے میں اس کے بعد پھر بڑے دائرے میں ایک بار گھما کر حیلہ اسقاط کرتا ہے۔ ہر شخص "قبلت ووہبت لک" کہتا ہے جب کہ اکثر لوگ اس کے معنی ومفہوم سے واقف ہی نہیں ہوتے۔ اس کے بعد میت کے بعض ورثاء اور متعلقین اکٹھے ہوکر رقم کی مقدار متعین کرتے ہیں اور حقیقتہ رقم ہر شخص کو دی جاتی ہے جس کے بعد سب واپس ہوجاتے ہیں۔

اس مروجہ حیلہ اسقاط سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں، خواہ مرنے والا شیرخوار بچہ ہو یا نہایت مفلوک الحال کوئی غریب ہو، خواہ اس کی وصیت کی ہو یا نہ کی ہو، ہر حال میں لازم تصور کیا جاتا ہے۔ اگر میت نے ترکہ میں کچھ بھی نہ چھوڑا ہو تو اس کے ورثہ قرض لے کر اس کا اسقاط کرتے ہیں اور اگر میت کے ورثہ بالغ نہ ہوں تو نابالغ ورثے سے یہ رقم وصول کی جاتی ہے۔

شہر ان گج میں بعض اوقات اتنی رقم گھماتے ہیں کہ آدمی پر حج فرض ہوجاتا ہے، کیا ہبہ کرنے سے فریضۂ حج ساقط ہوجاتا ہے؟ نیز ہبہ بھی رواجی ہے حد درجہ محتاج شخص پر بھی ہبہ کرنا لازم ہے۔

مندرجہ بالا طریقہ کار اعمال تدفین کا لازمی حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اسے ترک کرنے والے پر طعن کی جاتی ہے اس لیے بعض لوگ اس کو چھوڑنے میں شرم وعار محسوس کرتے ہیں۔

لہذا آپ سے گزارش ہے کہ اس کے بارے میں شرعی حکم واضح فرمائیں کہ آیا یہ حیلہ
جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس عمل کا مرتکب گناہ گار ہوگا یا نہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر میت نے فرائض فوت نہ کیے ہوں تو یہ اس کے لیے صدقہ ہوتا
ہے کیا واقعی یہ صحیح ہے؟ تفصیل سے جواب مطلوب ہے۔ بینوا توجروا

جواب: یہ مروجہ طریقہ ناجائز اور بدعت ہے۔ قرآن، حدیث اور فقہ میں اس کا کوئی ثبوت
نہیں اور تین قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی وجود ہے۔

قال الله تعالى: ﴿اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم
نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا﴾

﴿لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة﴾

جو عمل رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہم اسے ثواب سمجھ کر کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ
نعوذ باللہ حضور ﷺ نے دین کو پوری طرح نہیں سمجھا۔ ہم آپ ﷺ سے دین کے معانی زیادہ
سمجھ رہے ہیں اور معاذ اللہ آیت ﴿اليوم أكملت لكم دينكم﴾ بھی غلط ہے، غرضیکہ
اپنی طرف سے دین میں زیادتی کرنا سخت گناہ ہے۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم: "كل بدعة ضلالة"

علاوہ ازیں حیلہ اسقاط کا جو مروج طریقہ ہے یہ کئی مفاسد پر مشتمل ہے، اولاً اس میں تملیک
فقراء اس طرح کی جاتی ہے کہ اس سے تملیک متحقق نہیں ہوتی، ثانیاً اس سے فساد عقیدہ لازم آتا
ہے کہ عوام گناہوں پر دلیر ہو جاتے ہیں اور نماز روزہ کی پروا نہیں کرتے۔ ثالثاً اس کا ایسا التزام کیا
جاتا ہے کہ اسے بھی کفن دفن کے اعمال میں سے ایک مستقل عمل سمجھا جاتا ہے، جبکہ التزام کرنے
سے مباح بلکہ مندوب کام بھی ناجائز ہو جاتا ہے۔ کما صرح به في الشامية وغيرها، رابعاً تہائی مال سے
فدیہ ادا نہیں کیا جاتا حالانکہ مریض کے تہائی حصہ تک فدیہ کی وصیت کرنا اور اس کا ادا کرنا لازمی ہے
اور تہائی مال سے فدیہ ادا کرنے کے بعد بھی فدیہ باقی رہ جائے تو اس حالت میں بعض فقہاء نے
حیلہ کی اجازت دی تھی مگر آج کل زمانہ فساد عقیدہ کی وجہ سے یہ بھی جائز نہیں۔

نیز مروجہ حیلہ میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں نابالغ ورثاء کا مال بھی دیا جاتا ہے جبکہ
نابالغ کا مال اس کی اجازت سے بھی کسی کو دینا جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ مروجہ حیلہ اسقاط مذکورہ بالا

مفاسد کی وجہ سے تعزیت ناجائز ہے۔

چند رسوم باطلہ اور بدعات مروجہ کا بیان:

۱۔ میت کے سر پر کلام پڑھنا مکروہ اور بدعت ہے۔

(احسن الفتاوی ۱/۳۶۶)

۲۔ میت کے متعلقین کی رسم بہت سے مفاسد پر مشتمل ہونے کی وجہ سے واجب الترک ہے۔ (احسن الفتاوی ۱/۳۴۲)

۳۔ دفن کے بعد فی نفسہ دعا کا ثبوت ہے البتہ اجتماعی ہیئت میں ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا بدعت ہے۔ (ماخوذ از احسن الفتاوی ۱/۳۴۴)

۴۔ مروجہ حیلہ اسقاط ناجائز اور بدعت ہے، قرآن و حدیث و فقہ میں اس کا کوئی ثبوت نہیں اور نہ ہی قرون مشہود لہا بالخیر میں اس کا کوئی وجود ہے۔

(احسن الفتاوی ۱/۳۴۹)

۵۔ میت کے گھر دعوت کا اہتمام ناجائز اور بدعت ہے۔

(احسن الفتاوی ۱/۳۵۵)

۶۔ تعزیت کی دعا میں ہاتھ اٹھانا بدعت ہے۔ (احسن الفتاوی ۱/۳۵۴)

۷۔ اپنے طور پر صدقات نافلہ، تلاوت، تسبیح و تہلیل وغیرہ کا ثواب میت کو پہنچانا حدیث سے ثابت ہے، البتہ ایصال ثواب کے لیے اجتماع کا اہتمام، دنوں کی تعیین کرنا بدعت اور ناجائز ہے۔ (احسن الفتاوی ۱/۳۶۲)

۸۔ ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی پر اجرت لینا دینا دونوں ناجائز ہے۔

(احسن الفتاوی ۷/۲۶۳)

۹۔ تعزیت کے لیے مستقل اجتماع کا اہتمام کرنا درست نہیں، ہاں! اپنے طور پر آئے اور اتفاقی طور پر اکٹھے ہو گئے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ (احسن الفتاوی)

۱۰۔ مرحوم کی بیوہ کے علاوہ دیگر عزیز و اقارب کے لیے تین دن سے زیادہ سوگ منانا جائز نہیں۔ (ماخوذ از کتب فقہ)

۱۱۔ بعض دیہاتوں میں سوگ کے موقع پر کئی کئی دن تک گھر کا کام نہ کرنا جائز نہیں۔

۱۲۔ قبروں پر ہری شاخ گاڑنا فی نفسہ اس کا ثبوت تو ہے لیکن لوگوں نے اس کو لازم سمجھ لیا ہے اس لیے یہ عمل بدعت ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳۷۱/۱)

۱۳۔ قبر کو ایک بالشت تک اونچا بنانا مستحب ہے اور اس پر کوئی عمارت کھڑی کرنا منع ہے کیونکہ اس سے اجتناب لازم ہے۔ (رد المحتار: ۲۳۷/۲)

۱٤۔ قبر پر جھنڈیاں لگانا، قبر پر چادر ڈالنا یہ رسم بدعت ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں۔

(احسن الفتاوی: ۳۷٤/۱)

۱۵۔ قبروں پر چراغ جلانا جائز نہیں، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ایسے لوگوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (مشکوٰۃ، ص ۷۱ باب المساجد)

۱٦۔ قبر کو اینٹ اور چونے گچ سے مضبوط کرنا جائز نہیں البتہ گارے سے لیپنا جائز ہے مگر احتراز بہتر ہے۔ (احسن الفتاوی: ۱۹۷/٤)

۱۷۔ قبر کو بوسہ دینا بہ نیت عبادت و تعظیم کفر ہے اور بلا نیت عبادت بوسہ دینا گناہ کبیرہ ہے۔ (احسن الفتاوی: ۳٦/٦)

۱۸۔ قبر پر علامت کے طور پر میت کا نام اور تاریخ وفات لکھنا جائز ہے البتہ کتبہ قبر کے سرہانے سے کچھ ہٹا کر لگایا جائے۔ (احسن الفتاوی: ۲۰۹/٤)

۱۹۔ قبر کے سرہانے آیت قرآنیہ لکھنے میں بے ادبی ہے اس لیے جائز نہیں۔

(احسن الفتاوی: ۲٤۱/٤)

۲۰۔ اولیاء اللہ کے مزارات یا دیگر قبروں کا طواف ناجائز اور حرام ہے مخصوص تاریخوں میں یا مطلقاً کسی بھی وقت کیا جائے ہر صورت میں ناجائز اور حرام ہے۔

(فتاوی حقانیہ: ۷۷/۲ بحوالہ ارشاد الساری، ۳٤۲)

۲۱۔ دوسری جگہ کی مٹی لا کر قبر میں ڈالنا چونکہ اس کا ثبوت نہیں ہے اس لیے بدعت ہے۔

۲۲۔ قبر پر حاضری دے کر بچہ یا روزگار وغیرہ غیر اللہ سے مدد مانگنا بہرحال ناجائز اور حرام ہے ایک مشرکانہ فعل ہے ائمہ اسلام میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں ہے۔

(فتاوی رحیمیہ جدید، ٥٤/۱)

نہیں اس لیے تراویح کے بعد سورۂ ملک کی تلاوت کی تخصیص اور اس کا التزام بدعت ہے۔

۳۸۔ رمضان کے آخری ایام میں الوداع یا الفراق کہہ کر پکارنا خطبہ جمعہ میں یا کسی اور وقت اس کا شریعت میں کوئی ثبوت نہیں اس لیے بدعت ہے۔

۳۹۔ تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر مٹھائی تقسیم کرنے کے لیے چندہ کرنا یا مٹھائی تقسیم کرنے کا التزام کرنا یا اس کو تراویح کا حصہ سمجھنا بدعت اور ناجائز ہے۔ البتہ اگر کوئی اپنی حلال آمدن سے انفرادی طور پر تقسیم کرے تو اس کی گنجائش ہے۔

۴۰۔ عید کی مبارکباد دینا لینا جائز ہے لیکن اسے سنت سمجھنا جائز نہیں۔ اسی طرح اسی مخصوص الفاظ "عید مبارک" کو سنت و ضروری سمجھنا بدعت ہے۔

(ماخوذ از بدعات رمضان: ص ۶۶)

۴۱۔ نفل صدقات و خیرات کے لیے دن کی تعیین یہ شریعت مطہرہ پر زیادتی ہے جسے نیکی سمجھنا ناجائز اور بدعت ہے بلا تعیین وقت جس وقت دل میں آئے خیرات کرے۔

۴۲۔ بعض اوقات نماز کے بعد جو لوگ کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتے ہیں خصوصاً جمعہ کی نماز کے بعد یہ کئی قبائح و منکرات پر مشتمل ہونے کی بناء پر بدعت اور ناجائز ہے۔

(ماخوذ از احسن الفتاویٰ)

۴۳۔ کھانے کے بعد دعا کے موقع پر ہاتھ اٹھانا شرعاً ثابت نہیں لہٰذا ہاتھ اٹھائے بغیر انفرادی طور پر دعا ماثور پڑھی جائے۔ اس موقع پر ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنا بدعت ہونے کی بناء پر واجب الترک ہے۔

۴۴۔ شب براءت کے موقع پر حلوہ پکانا ناجائز ہے۔

۴۵۔ فقہاء کرام رحمہم اللہ نے نماز کے علاوہ جن مواقع پر اذان کو مشروع قرار دیا ہے ان میں میت کے دفن کے وقت اذان کہنا مذکور نہیں اس لیے اس موقع پر اذان کہنا جائز نہیں۔

نسوار استعمال کرنا:

نسوار کے استعمال سے انسان کو غذائی لحاظ سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا اسی طرح اس میں ایک قسم کی بدبو بھی ہے جس سے فطرت سلیمہ کو گھن آتی ہے لہٰذا اس کے استعمال کی عادت نہیں بنانی چاہیے۔ اگر کسی کو عادت پڑ گئی ہے تو اس کو ترک کرنے کی مکمل کوشش کی جائے، تاہم اس کے

استعمال کو حرام یا ناجائز نہیں کہا جائے گا۔

البتہ نسوار رکھ کر مسجد میں جانا منع ہے کیونکہ اس کی بو سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے جب تک نسوار کھانے کی عادت نہ چھوٹے اس وقت تک اس کا اہتمام کرنا لازم ہے کہ مسجد میں آنے سے پہلے منہ کو اچھی طرح صاف کر لیا جائے۔

باقی چونکہ نماز کے دوران کھانا پینا جائز نہیں اس لیے دوران نماز نسوار کا استعمال بھی جائز نہیں ہوگا، اسی طرح روزہ کی حالت میں بھی نسوار کا استعمال جائز نہیں اگر کسی نے استعمال کر لیا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا اور اس کے ذمہ اس روزہ کی قضا لازم ہوگی۔

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله: اختلفوا في معنى التغذي فقال بعضهم أن يميل الطبع إلى أكله وتنقضي شهوة البطن به، وقال بعضهم هو ما يعود نفعه إلى صلاح البدن، وفائدته فيما إذا مضغ لقمة ثم أخرجها ثم ابتلعها فعلى الثاني يكفر لا على الأول، وبالعكس في الحشيشة لأنه لا نفع فيها للبدن ... وربما تنقص عقله ويميل إليها الطبع وتنقضي بها شهوة البطن اهـ.

(رد المحتار، باب ما يفسد الصوم ٤١٠/٢)

گانے کی طرز پر نظمیں پڑھنا:

رسول اللہ ﷺ کی تعریف کرنا، آپ ﷺ کے اوصاف حمیدہ، حسن و جمال کو بیان کرنا، آپ ﷺ سے محبت و عقیدت کا اظہار کرنا جائز بلکہ کار ثواب ہے اور سرمایہ آخرت ہے۔

لیکن اس میں غلو کرنا، اللہ تعالیٰ کی صفات کو رسول اللہ ﷺ کے لیے ثابت کرنا یا دیگر شرکیہ کلمات کو آپ کے حق میں استعمال کرنا حرام، جہالت اور گمراہی ہے، اسی طرح نعت و نظم کو گانوں کی طرز پر پڑھنا اور اس کے ساتھ ساز اور موسیقی شامل کرنا تعلیمات نبوی ﷺ سے سراسر انحراف بلکہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی ہے۔

وعن أبي مالك الأشعري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليشربن ناس من أمتي الخمر يسمونها بغير اسمها، يعزف على رءوسهم بالمعازف والمغنيات، يخسف الله بهم

الارض ویجعل اللہ منھم القردۃ والخنازیر

(رواہ ابو داؤد وابن ماجہ ابن حبان)

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کے کچھ لوگ شراب کو اس کا نام بدل کر پئیں گے اور ان کے سامنے معازف اور مزامیر کے ساتھ عورتوں کا گانا ہوگا، اللہ تعالیٰ ان کو زمین کے اندر دھنسا دے گا اور بعض کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور سور بنا دے گا۔

وعن علی رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن ضرب الدف، و الطبل و الصوت الزمارۃ (کذا فی نیل الاوطار)

یعنی جناب رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا ڈھول طبلہ بجانے اور بانسری کی آواز سننے سے۔ (موجودہ زمانے کی موسیقی اسی میں داخل ہے)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخری زمانہ میں میری امت کے کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ کر کے بندر اور سور بنا دیا جائے گا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا وہ مسلمان ہی ہوں گے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں وہ اس بات کی گواہی دینے والے ہوں گے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں (یعنی مسلمان ہوں گے) اور روزے بھی رکھتے ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پھر ان کا قصور کیا ہوگا؟ تو ارشاد فرمایا کہ وہ گانے بجانے کے آلات اور گانے بجانے والی عورتوں اور ڈھول بجانے میں مشغول ہوں گے اور شراب پیا کریں گے وہ رات اسی طرح شراب پینے اور دوسری کھیل کود میں گزار دیں گے جب صبح کو اٹھیں گے تو ان کے چہرے مسخ ہو چکے ہوں گے۔ (رواہ ابن حبان)

لہٰذا نعت رسول مقبول ﷺ کے ساتھ ساز ملا کر پڑھنا یا ساز ملائے بغیر گانے کی طرز میں جس سے گانے کی طرف دھیان جائے یا گانے کی لذت محسوس ہو شرعاً جائز نہیں، ایسی نعت و نظم پڑھنے اور سننے سے اجتناب کرنا لازم ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کی تلاوت بھی گانے کی طرز پر کرنا جائز نہیں ہے قرآن کو عرب کے لہجہ میں پڑھنا چاہیے۔

ٹی وی میں دکھائی جانے والی چیز اکثر اہل علم و افتاء کے نزدیک تصویر ہی ہے، اس لیے ایسی

کی چیز کا استعمال ممنوع ہے جس میں کسی جاندار کی تصویر ہو۔

روزہ میں انہیلر کا استعمال:

گیس پمپ (انہیلر) کے استعمال سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعہ دوائی کے ذرات حلق میں داخل ہوتے ہیں، اگرچہ وہ گیس یا بھاپ کی شکل میں ہوتے ہوں۔

فقہاء کرام نے روزہ کی حالت میں دھواں یا غبار کو قصداً حلق میں داخل کرنے سے روزہ کے فاسد ہونے کا حکم لگایا ہے۔

وفي البحر: ومفاده أنه لو أدخل حلقه الدخان أفطر أي دخان كان، ولو عودا أو عنبرا لو ذاكرا لإمكان التحرز عنه فليتنبه له كما بسطه الشرنبلالي.

وفي رد المحتار: ومفاده أي مفاد قوله دخل بنفسه بلا صنع منه قوله أنه لو أدخل حلقه الدخان بأي صورة كان الإدخال حتى لو تبخر ببخور وآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه أفطر لإمكان التحرز عنه وهذا مما يغفل عنه كثير من الناس ولا يتوهم أنه كشم الورد ومائه والمسك لوضوح الفرق بين هواء تطيب بريح المسك وشبهه وبين جوهر دخان وصل إلى جوفه بفعله.

(رد المحتار: ٢/٣٩٥، مطبوعہ سعید)

باقی جس اخبار کا حوالہ دیا گیا ہے اس میں مسئلہ لکھنے والا کوئی شرعی عالم یا مفتی نہیں ہے، مسائل دینے کے لیے مستند علماء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے، ہر کس و ناکس کی بات پر اعتماد کرنا قطعاً جائز نہیں۔ بہر حال اب فتویٰ یہی ہے کہ "انہیلر" کا استعمال روزہ کی حالت میں جائز نہیں، اگر کسی نے روزہ کی حالت میں استعمال کر لیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جائے گا۔

بینک کے لیے تیار ہونے والے مکان میں مزدوری کا حکم:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام و مفتیان عظام اس مسئلہ کے بارہ میں کہ اگر کسی کے رشتہ دار لکڑی کا کام کرتے ہوں (عام حالات میں ان کے یہاں زیادہ کام بھی نہیں ہوتا نہ گھر کے حالات زیادہ بہتر ہوتے ہیں) تو اگر انہیں بینک کا کام کرنا پڑے جو ابھی بنا نہ گیا ہو بلکہ اس بینک کا نقشہ

پہلے کوئی اور کام کرتا تھا اور اب یا تو کام وغیرہ ختم کر کے بینک کھول رہا ہو اور اس بینک کی لکڑی کا تمام کام ہو وا اپنے رشتہ دار سے کروا رہا ہو اور اس بینک کا معاوضہ پہلے ادا کر دیا ہو اور کچھ کام کے بعد ادا کرے گا اور اب ان کے یہاں خوشحالی بھی ہے تو ان کے گھر جانا، کھانا کھانا اور اگر انہوں نے کچھ رقم ہدیۃً دی ہو تو اس کا کیا حکم ہے اور اگر کچھ کتابیں وغیرہ منگواتا ہوں تو اس رقم سے منگوانا کیسا ہے؟ مسئلہ مذکورہ کی وضاحت فرما کر بندہ کی الجھن دور فرمائیں۔ بینوا تو جروا

جواب: موجودہ دور میں بینک کے کاروبار میں اکثر سودی معاملات ہوتے ہیں، اب اگر کوئی بینک کا ادارہ قائم کرے گا تو وہ بھی اسی قسم کے سودی معاملات ہی انجام دے گا، اس لیے ایسے لوگوں کے ساتھ تعاون کرنا گناہ کے کام میں تعاون ہے جس سے قرآن و حدیث میں منع فرمایا گیا ہے:

﴿ ولا تعاونوا على الإثم والعدوان ﴾ الآية

تاہم صورتِ مسئولہ میں چونکہ ابھی تک بینک کا ادارہ وجود میں نہیں آیا تھا اس لیے اگر یہ شخص پہلے کی حلال رقم سے اجرت ادا کرے تو وہ اجرت حلال ہوگی، اس اجرت سے بڑھئی کسی کو کھانا کھلائے یا ہدیہ کرے تو اس کو قبول کرنا بھی جائز ہوگا۔ اور اگر اجرت کا کچھ حصہ بینک کے کام شروع ہونے کے بعد بینک یا سابق حرام کی آمدن سے ادا کرے تو بینک سمیت سابقہ آمدن کے حرام ہونے کی وجہ سے اس کو لینا استعمال کرنا خود بڑھئی کے لیے بھی حلال نہیں، اگر لے لیا ہے تو بلا نیتِ ثواب فقراء پر صدقہ کر دینا واجب ہے، اگر بڑھئی اس رقم میں سے کسی کو ہدیہ کرے تو اس ہدیہ کو قبول کرنا اور اسے استعمال کرنا جائز نہیں، ہاں البتہ کسی فقیر کو مالک بنا کر دیدے تو اس کے لیے استعمال جائز ہوگا۔

وفي الدر المختار قال: وجاز تعمير كنيسة وحمل خمر ذمي بنفسه أو بدابته بأجر. وفي الشامية قال في الخانية: ولو آجر نفسه ليعمل في الكنيسة ويعمرها لا بأس به لانه لا معصية في عين العمل.

(ردالمحتار: ٦/ ٣٩١ كتاب الكراهية)

بارش طلب کرنے کا مسنون طریقہ:

کیا فرماتے ہیں علماء کرام درج ذیل مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے علاقے میں جب بارش

نہ ہوں تو کچھ لوگ جمع ہو کر پیسے جمع کرتے ہیں خود بھی حصہ ڈالتے ہیں اور لوگوں سے بھی پیسے مانگتے ہیں پھر ان پیسوں سے چاول پکاتے ہیں اور لوگوں کو کھلاتے ہیں کہ دعا کرو اللہ تعالیٰ بارش کریں، تو کیا ایسے لوگوں کو پیسے دینا جائز ہے؟ اور کیا یہ چاول وغیرہ کھانا جائز ہے کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ یہودیوں کا طریقہ ہے۔ قرآن وسنت کی روشنی میں رہنمائی فرمائیں۔ بینوا توجروا

جواب: بارش طلب کرنے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ علاقے کے لوگ کسی میدان میں یا جامع مسجد میں جمع ہو کر استسقاء کی نیت سے دو رکعت نماز ادا کریں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کریں اور بارش کے لیے دعا کریں اور اپنے طور پر صدقہ خیرات بھی کریں۔

لیکن سوال میں مذکورہ طریقہ شریعت سے ثابت نہیں ہے اس لیے اس سے اجتناب لازم ہے اور اس میں ایک بنیادی خرابی یہ ہے کہ لوگوں سے جو چندہ لیا جاتا ہے اس میں اکثر لوگوں کی خوش دلی کا یقین نہیں ہوتا، اس لیے اس طرح چندہ کرنا اس کو آگے استعمال کرنا کروانا شرعاً جائز نہیں ہے اس میں چندہ دے کر شرکت بھی نہ کی جائے۔

لقوله عليه السلام: ألا لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. (رواه البيهقي في شعب الإيمان)

یعنی جناب نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سن لو، کسی کا مال اس کی دلی رضامندی کے بغیر حلال نہیں ہے۔

دعوت ولیمہ اور رخصتی کے احکام:

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام ان رسومات کے بارے میں جو کچھ عرصے سے ہمارے علاقے میں شروع ہیں اور بہت سے دیندار گھرانے اس میں مبتلا ہیں:

۱۔ نکاح اور رخصتی سے پہلے دعوت طعام کرتے ہیں جس کو دعوت ولیمہ کہتے ہیں کیا اس کو ولیمہ مسنون کہا جاسکتا ہے؟ ہمارا گھرانہ جو کہ علاقے میں دیندار گھرانہ کہلاتا ہے اس میں ہمارے بھائی عبداللہ کا نکاح ہو چکا ہے، رخصتی سے ایک دن پہلے وہ ولیمہ کرنا چاہتا ہے کیا اس کو ولیمہ کہا جاسکتا ہے یا نہیں اور دیندار گھرانہ جو کہ علاقے میں مقتدا کی حیثیت رکھتا ہو اس کے لیے اس بارے میں کیا احتیاط ہے جبکہ نکاح سے پہلے ولیمہ کا رواج چل نکلا ہے۔

۲۔ دعوت ولیمہ میں بعد الطعام ایک آدمی دولہا کے پاس بیٹھتے ہیں جو کھانے

کھانے والوں سے پیسے وصول کرتا ہے اور ہر آدمی کا نام اور رقم لکھ لیتا ہے، پھر جب ان (رقم دینے والوں) میں سے کسی کی شادی ہوتی ہے تو یہ لوگ بھی اتنے ہی پیسے نہ کم نہ زیادہ دیتے ہیں اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں اور یہی طریقہ ہمارے علاقے کے ہندوؤں کا بھی ہے۔ کیا ایسا کرنا صحیح ہے؟ جائز اور مسنون طریقے سے ہماری راہنمائی فرمائیں۔

۳. برات کو نکاح کے بعد لڑکی والے کھانا کھلاتے ہیں یا بعض لوگ ڈبے تقسیم کرتے ہیں کیا لڑکی والوں کو اس موقع پر کھانا کھلانا یا ڈبے تقسیم کرنا جائز ہے یا ناجائز اور ان صورتوں میں دیندار مقتدا گھرانے کے لیے کیا احتیاط ہے، نیز ان لوگوں کو اس طعام میں شرکت کرنا اور اس طعام کا اہتمام کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ باحوالہ رہنمائی فرمائیں۔

٤. منگنی میں ایک ہزار دیتے ہیں تاکہ دو ہزار ملیں، اسی طرح رخصتی کے بعد لڑکی کے بھائی، خاوند کے گھر اپنی بہن کو ملنے جاتے ہیں اور اس کو اس نیت سے پیسے دیتے ہیں کہ بعد میں دگنے ملیں گے، کیا ایسا کرنا شریعت کی روشنی میں جائز ہے یا نہیں؟ واضح رہے کہ ان تمام رسومات کو بہت ضروری سمجھا جاتا ہے اور نہ کرنے والے کو مطعون کیا جاتا ہے، ایسی صورت میں دیندار مقتدا گھرانے کے لیے کیا صورت بہتر ہے؟ بینوا توجروا

جواب: ۱. ولیمہ سنت ہے، البتہ اس کے لیے کوئی خاص وقت، خاص چیز، خاص مقدار شرعاً متعین نہیں ہے، حسب استطاعت جس وقت جس چیز کے ساتھ ہو ولیمہ کی سنت ادا کی جاسکتی ہے، دعوت ولیمہ نکاح کے وقت بھی ہو سکتی ہے نکاح کے بعد بھی، البتہ بہتر یہ ہے کہ شب زفاف یعنی میاں بیوی کی ملاقات کے بعد کی جائے۔

قال العيني رحمه الله : قال في المغني : ويستحب لمن تزوج أن يولم ولو بشاة ، لا خلاف بين اهل العلم في أن الوليمة في العروس سنة مشروعة وليست بواجبة في قول اكثر أهل العلم (إلى قوله) وقال عياض : لا خلاف أنه لا حد لقليل الوليمة ولا لكثيرها ؟ أو اختلف السلف في وقتها : هل هو عند العقد أو عقيبها ؟ أو عند الدخول أو عقيبه ؟ أو موسع من ابتداء العقد إلى انتهاء الدخول ؟ اقوال . إلى ...... قوله وحديث انس فاصبح رسول الله صلى الله عليه

و مسلم بزینب ، فدل على أنه صريح بأنها بعد الدخول.

(عمدة القاري ۲۰: ۱۴۶ ـ ۱۴۲)

وعن أنس رضي الله عنه أو لم عليها (أي على صفية) بحيس.
وعن صفية بنت شيبة رضي الله عنها قالت : أو لم النبي صلى الله
عليه وسلم على بعض نسائه بمدين من شعير. (مشكوة باب الوليمة)

۴۔ شادی کے موقع پر سوال میں ذکر کردہ طریقہ پر جو رقم وصول کی جاتی ہے اس میں کئی قباحتیں ہیں:

(۱) قرض کا لین دین ہے، جبکہ بلاضرورت قرض کا لین دین شرعاً ایک ناپسندیدہ عمل ہے، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض سے پناہ مانگی ہے، نیز قرض کو قرض اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مقراض المحبۃ یعنی محبت کو کاٹنے والی قینچی ہے۔

(۲) بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ دوسرے کی شادی کے موقع پر یہ رقم بڑھا کر لوٹائی جاتی ہے جو کہ سود کے حکم میں ہے۔

(۳) اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ قرض واپس کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا، مثلاً ابھی سے پہلے ہی دونوں میں سے کسی ایک کا انتقال ہو جائے، یا علاقہ چھوڑ کر دور کہیں چلا جائے، اس صورت میں دوسرے کی حق تلفی اور ناجائز طور پر مال استعمال کرنے کا گناہ ہوا، اس لیے یہ رقم قابل ترک ہے۔

(۴) کسی کی دعوت کرکے اس سے پیسے وصول کرنا، غیرت وحمیت کے خلاف ہونے کے علاوہ ایک احمقانہ حرکت ہے، اگر کسی کو دعوت کرنے کی استطاعت نہیں وہ دعوت کرتا ہی کیوں ہے؟ بالکل نہ کرے یا جتنے افراد کو کھلانے کی استطاعت ہے صرف اتنے ہی افراد کی دعوت کرے۔

(۵) اگر چہ یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ قرض قرار نہ دیا جائے تو بھی یہ رقم محض رسم سے مجبور ہو کر دی جاتی ہے، طیب خاطر اور خوشدلی سے نہیں دی جاتی، اور حدیث میں آتا ہے

لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه

کہ مسلمان کا مال اس کی طیب خاطر کے بغیر حلال نہیں، ہاں البتہ واپس لینے کی نیت یا رسم کے بغیر عزیز واقارب میں سے کوئی ہدیہ دے تو اس کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

منہ دکھائی کے وقت شوہر کی طرف سے دی گئی انگوٹھی کیا وہ نگینہ کی ملکیت ہیں؟

۲۔ نگینہ کے سسرال والوں کا یہ مطالبہ ہے کہ وہ ہم کو واپس کر دی جائے یہ صحیح ہے یا نہیں؟

۳۔ سلامی/ منہ دکھائی کے وقت سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے جو پیسے نگینہ کے ہاتھ میں دیے گئے تھے وہ کس کی ملکیت ہیں نگینہ کی یا سسرال والوں کی؟

۴۔ نگینہ نے سلامی / منہ دکھائی کے ان پیسوں سے اپنے لیے سونے کے جھمکے بنوالیے اب سسرال والوں کا مطالبہ ہے کہ وہ ہماری ملکیت ہیں ہمیں واپس کیے جائیں کیا وہ ان کو واپس کر دیے جائیں؟

۵۔ نگینہ کے جہیز کی چیزوں کو قسطوں میں واپس منگوانا اور ان چیزوں میں کمی کرنا کیا یہ درست ہے؟

٦۔ نگینہ سے منسوب کوئی ملکیتی چیز مثلاً تصویریں یا کوئی ایسی چیز جس سے مستقبل میں کوئی ایذاء پہنچانا مقصود ہو واپس نہ کرنا (سابقہ) سسرال والوں کا ایسا کرنا دین کے لحاظ سے کیسا عمل ہے؟

شریعت کی رو سے مندرجہ بالا سوالات کے جوابات دے کر عند اللہ ماجور ہوں۔ بینوا توجروا

جواب 1. منگنی کے وقت جو انگوٹھی دی جاتی ہے وہ عورت کو ہبہ کی جاتی ہے لہٰذا یہ انگوٹھی اس کی ملک ہے، واپس لینا جائز نہیں البتہ کسی جگہ کا عرف اور دستور عاریۃً دینے کا ہو یا عاریت کے الفاظ کہہ کر دیا جائے تو اس کی ملک نہ ہوگی اور واپس لینے کا حق ہوگا۔

۲، ۳، ۴۔ منہ دکھائی کے وقت شوہر کی طرف سے جو انگوٹھی دی جاتی ہے اسی طرح سسرالی رشتہ داروں کی طرف سے جو تحفے دیے جاتے ہیں وہ عورت کے لیے ہدیہ ہوتے ہیں ان کو واپس لینا جائز نہیں۔

قلت: ومن ذلك ما يبعثه إليها قبل الزفاف في الأعياد والمواسم من نحو ثياب وحلي. وكذا ما يعطيها من ذلك او من دراهم أو دنانير صبيحة ليلة العرس، ويسمى في العرف صبحة، فإن كل ذلك تعورف في زماننا كونه هدية لا من المهر لا سيما المسمى صبحة

فإن الزوجة تعوضه عنها ثيابا و نحوها [illegible]

(رد المحتار، مطلب فيما يرسله [illegible] ۳/ ۱۵۳)

۵۔ عورت کو اپنے والدین، عزیز و اقارب کی طرف سے بطور جہیز جو سامان دیا گیا ہے وہ اس کی ملکیت ہے، اس کو اس میں ہر جائز تصرف کا حق حاصل ہے، طلاق ہونے کی صورت میں شوہر کا بلاوجہ کسی چیز کو روک لینا یا واپس کرنے میں تاخیر کرنا جائز نہیں، البتہ جو چیزیں داماد کو شادی کے موقع پر بطور تحفہ دی گئی ہیں ان چیزوں کا مالک وہ خود ہے، ان کو واپس کرنا ضروری نہیں۔

لما في الولوالجية: جهز بنته ثم مات فطلب بقية الورثة القسمة. فإن كان الأب اشترى لها في صغرها أو بعد كبرها وسلم لها في صحته فهو لها خاصة اه.

(رد المحتار: ۳/ ۱۵۷، مطلب دعوى الأب أن الجهاز عارية)

۶۔ تصویر وغیرہ دکھا کر اس سے بلیک میلنگ یا کسی اور طریقے سے کسی مسلمان کو ایذاء پہنچانا حرام ہے۔

البتہ شادی کے موقع پر تصویریں بنوانا پھر ان کو بطور یادگار رکھنا شرعاً سخت گناہ ہے، ان تصویروں کو ضائع کرنا لازم ہے، لہٰذا ان تصویروں کو عورت یا اس کے رشتہ داروں کے سامنے ضائع کر دیں۔

تنبیہ: سوال میں مذکور ہے کہ عورت کو منہ دکھائی کے وقت تحفے دیئے گئے، بعض علاقوں میں اس عمل کو بطور رسم کے ادا کیا جاتا ہے، یہ شرعاً ناجائز ہے، خصوصاً غیر محرم مردوں یعنی شوہر کے بھائی، چچازاد، ماموں زاد، بہنوئی وغیرہ اس موقع پر دلہن کو دیکھنے کا اہتمام کرتے ہیں، یہ انتہائی بے غیرتی کی بات ہے، اس رسم بد سے بچنا لازم ہے۔